مجوزہ دستاویز برائے کانگریس 2021ء

عالمی تناظر

IMT

عالمی تناظر

مجوزہ دستاویز

کانگریس 2021ء

’’مجموعی طور پر بحران ایک چھچھوندر کی مانند کھدائی کرتا چلا جا رہا ہے۔‘‘

(اینگلز کے نام مارکس کا خط، 22 فروری، 1858ء)

تناظر کی ماہیت

1۔ موجودہ دستاویز کو ستمبر 2020ء میں شائع کی گئی دستاویز کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ تحریر ماضی میں اس موضوع پر شائع کردہ دستاویزات سے کچھ مختلف ہوگی۔

2۔ پچھلے ادوار میں واقعات کی رفتار سست تھی اور کئی مختلف ممالک کے بنیادی خدوخال وضع کرنا قدرے آسان تھا۔ لیکن اب واقعات برق رفتار ہو چکے ہیں اور تمام معاملات کا احاطہ کرنے کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہوگی۔ تناظر لکھنے کا مقصد انقلابی واقعات کی فہرست بنانا نہیں ہوتا بلکہ ان میں موجود کلیدی عوامل کو سمجھنا ہوتا ہے۔

3۔ ہیگل نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ’’فلسفۂ تاریخ کا تعارف‘‘ میں لکھا تھا کہ ’’درحقیقت سائنس کے طالبعلم کے ذہن میں ہر معاملے پر معلومات کا ایک انبار اکٹھا کرنے کی خواہش کے برعکس عقلی بصیرت حاصل کرنے کی خواہش ہونی چاہئے‘‘۔

4۔ یہاں ہم عمومی عوامل کا جائزہ لے رہے ہیں لہٰذا ہم ان چند ممالک کو ہی زیر بحث لائیں گے جہاں یہ عوامل موجودہ مرحلے پر سب سے واضح طور پر اپنا اظہار کر رہے ہیں۔ جبکہ دیگر ممالک کو علیحدہ مضامین میں زیرِ بحث لایا جائے گا۔

ڈرامائی واقعات

5۔ سال 2021ء کا آغاز ڈرامائی واقعات سے ہوا۔ عالمی سرمایہ دارانہ بحران کی لہریں ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم کو اپنی لپیٹ میں لیتی چلی جا رہی ہیں۔

جس بھی جانب نظر دوڑائیں ہر جگہ انتشار، معاشی بربادی اور طبقاتی تفاوت بڑھ رہا ہے۔

6۔ نئے سال کا سورج ابھی چڑھا ہی تھا کہ ایک انتہائی دائیں بازو کے ہجوم نے سابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی اشتعال انگیزی پر واشنگٹن میں امریکی کیپٹل بلڈنگ (امریکی کانگریس) پر دھاوا بول دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ مناظر مغربی سامراج کے کرتا دھرتا کے بجائے کسی ناکام ریاست کے ہیں۔

7۔ اگر اس واقعے اور پچھلے سال موسمِ گرما میں بھڑکنے والی دیوہیکل بلیک لائیوز میٹر تحریک کو دیکھیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ امریکی سماج کس حد تک پولرائز ہو چکا ہے۔

8۔ دنیا کے دوسرے کونے پر، ہندوستان اور روس میں ہونے والے دیوہیکل احتجاج بھی اسی عمل کو واضح کر رہے ہیں: عوامی غم و غصہ مسلسل بڑھ رہا ہے اور حکمران طبقہ پرانے طریقوں سے حکمرانی کے قابل نہیں رہا۔

بے مثال عالمی بحران

9۔ ماضی کے برعکس یہ عالمی تناظر بے مثال ہے۔ پوری دنیا پر لٹکی کورونا وباء کی تلوار نے اس کی پیچیدگیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے جو کروڑوں افراد کو مایوسی، بربادی اور موت کی طرف دھکیل رہی ہے۔

10۔ وباء اس وقت بھی بے قابو ہے۔ تادمِ تحریر پوری دنیا میں 10 کروڑ سے زیادہ کیس رپورٹ ہو چکے ہیں اور تقریباً 30 لاکھ اموات ہو چکی ہیں۔ ایک عالمی جنگ کی عدم موجودگی میں یہ ہولناک اعداد و شمار ہیں۔ اور ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

11۔ اس ہولناک آفت کے دنیا بھر کے غریب ممالک پر تباہ کن اثرات پڑے ہیں اور چند ایک امیر ترین ممالک کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔

12۔ امریکہ میں اب تک 3 کروڑ افراد وباء کا شکار ہو چکے ہیں جبکہ 5 لاکھ سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں۔ اور سب سے زیادہ فی کس اموات کا شکار ممالک میں برطانیہ بھی شامل ہے جہاں 40

لاکھ متاثرین ہیں اور 1 لاکھ سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں۔

13۔اس لئے موجودہ بحران کوئی عام معاشی بحران نہیں ہے۔درحقیقت کروڑوں افراد کے لئے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔اگر بروقت اقدامات کر لئے جاتے تو کئی جانیں بچائی جاسکتی تھیں۔

سرمایہ داری مسئلے کو حل نہیں کرسکتی

14۔سرمایہ داری اس مسئلے کو اس لئے حل نہیں کرسکتی کیونکہ درحقیقت مسئلہ وہ خود ہے۔

15۔حتمی تجزیئے میں کورونا وباء سرمایہ داری کے ہاتھوں ماحولیات کی تباہی و بربادی کا نتیجہ ہے۔ جنگلات کی بے لگام صفائی اور سرمایہ دارانہ بنیادوں پر منظم بڑے پیمانے پر زراعت نے ایسے حالات کو جنم دیا ہے جس میں جانوروں سے وائرس انسانوں میں منتقلی سے وباؤں کی شرح میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔اینگلز نے خبردار کیا تھا کہ ”انسانوں کو فطرت پر حاصل ہونے والی فتوحات پر زیادہ پھولے نہیں سمانا چاہیے۔(کیونکہ) ہر فتح ہم سے اپنا انتقام لیتی ہے“۔

16۔اس وباء نے امیروں اور غریبوں کے درمیان خوفناک خلیج کو برہنہ کر دیا ہے۔اس نے ان دراڑوں کو عیاں کر دیا ہے جو سماج کو تقسیم کرتی ہیں۔بیمار ہو کر مرنے والوں اور وباء سے محفوظ رہنے والوں میں لکیر واضح ہو چکی ہے۔

17۔اس نے سرمایہ داری کے ضیاع،انتشار اور نااہلی کو ننگا کر کے رکھ دیا ہے اور کرۂ ارض کے ہر ملک میں طبقاتی جدوجہد کی راہ ہموار کر رہی ہے۔

18۔بورژوا سیاست دانوں کو جنگی اصطلاحات میں موجودہ صورتحال بیان کرنے کا بہت شوق ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ہم ایک ان دیکھے دشمن،اس خوفناک وائرس کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہیں۔وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام طبقات اور پارٹیوں کو موجود حکومت کی قیادت میں متحد ہونا ہوگا۔ لیکن ان کے قول و فعل میں گہری خلیج حائل ہے۔

19۔ایک منصوبہ بند معیشت اور عالمگیر منصوبہ بندی کا مقدمہ پوری قوت سے پیش ہو چکا ہے۔یہ عالمگیر بحران ہے۔وائرس سرحدوں اور سرحدی بندشوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتا۔صورتحال ایک

عالمی حکمت عملی کی متقاضی ہے جس میں کرۂ ارض کے تمام سائنسی علم اور تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک حقیقی ایکشن پلان مرتب کیا جائے۔

20۔اس کے برعکس ہم برطانیہ اور یورپی یونین کے درمیان ویکسین کی قلت کی وجہ سے شرمناک دھینگامشتی دیکھ رہے ہیں جبکہ غریب ترین ممالک کو کسی قسم کی ویکسین دستیاب ہی نہیں ہے۔

21۔لیکن ویکسین کی قلت کیوں ہے؟ اگر ویکسین کی پیداوار کے مسئلے کو ہی لے لیا جائے تو یہ سماج کی فوری ضروریات اور منڈی کی معیشت کی حرکیات کے مابین تضاد واضح کر دیتا ہے۔

22۔اگر ہم واقعی وائرس کے ساتھ جنگ میں ہیں تو پھر حکومتوں کو تو اپنے تمام وسائل اس ایک مسئلے سے نبرد آزما ہونے کے لئے متحرک کرنے چاہئیں۔اگر خالصتاً منطقی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو بہترین پالیسی ویکسین کی پیداوار کو تیزی کے ساتھ بڑھانا ہوگی۔

23۔پیداواری صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف نئی فیکٹریاں لگا کر ہی کیا جا سکتا ہے۔لیکن بڑے نجی ویکسین مینوفیکچررز کو پیداوار بڑھانے میں کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ یہ کام ان کے لئے مالی نقصان کا باعث بنے گا۔

24۔اگر وہ پیداوار اتنی بڑھا دیں کہ پوری دنیا کو چھ مہینوں میں ویکسین دستیاب ہو جائے تو پھر نئی بنائی فیکٹریاں اگلے ہی لمحے بیکار ہو جائیں گی۔موجودہ حالات کے مقابلے میں منافع بہت کم ہو جائے گا کیونکہ موجودہ فیکٹریوں کی پیداوار اگلے کئی سال تک جاری رہے گی۔

25۔بڑے پیمانے پر پیداوار کی راہ میں ایک اور رکاوٹ بڑی دوا ساز اجارہ داریاں ہیں جو ''اپنی'' ویکسین کے انٹلیکچول پراپرٹی رائٹس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں (حالانکہ بیشتر ویکسینیں ریاست کی جانب سے مہیا کی گئی بھاری فنڈنگ سے تیار کی گئی ہیں) تا کہ دیگر کمپنیاں اسے سستے داموں بنا سکیں۔

26۔دوا ساز کمپنیاں اربوں ڈالر منافع کما رہی ہیں لیکن پیداوار اور سپلائی میں مسائل کا نتیجہ ہر جگہ قلت کی صورت میں نکل رہا ہے۔اس دوران کروڑوں جانوں کو خطرہ لاحق ہے۔

محنت کشوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں

27۔سیاست دان اور سرمایہ دار پیداوار (اور اپنے منافعے) بحال کرنے کی جلد بازی میں ہر قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار ہیں۔محنت کشوں کو بغیر کسی حفاظتی سامان کے کام کی گنجان جگہوں پر واپس جانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔یہ کئی محنت کشوں اور ان کے خاندانوں کو موت کی سزا سنائے جانے کے مترادف ہے۔

28۔بورژوا سیاست دانوں کی تمام امیدیں نئی ویکسینوں سے وابستہ تھیں۔لیکن ویکسین کی ترسیل کا کام انتشار کا شکار ہے اور وائرس کے پھیلاؤ کو اب تک قابو نہیں کیا جا سکا۔اس سے وائرس کی ایسی اقسام ابھرنے کا بھی خطرہ ہے جو ویکسین کے خلاف مدافعت رکھتی ہوں گی۔اور اس کے نہ صرف انسانی زندگی اور صحت بلکہ معیشت پر بھی سنجیدہ اثرات مرتب ہوں گے۔

معاشی بحران

29۔بینک آف انگلینڈ کے مطابق موجودہ بحران سرمایہ داری کی 300 سالہ تاریخ کا سب سے خوفناک بحران ہے۔سال 2009ء کے مقابلے میں سال 2020ء میں پوری دنیا میں چار گنا زیادہ یعنی 25.5 کروڑ افراد بیروزگار ہوئے۔

30۔نام نہاد ابھرتی معیشتوں کا بھی دیگر کے ساتھ جنازہ نکل رہا ہے۔انڈیا، برازیل، روس، ترکی، سب بحران کا شکار ہیں۔جنوبی کوریا کی معیشت 283 ارب ڈالر کی ریاستی امداد کے باوجود پچھلے سال 22 سالوں میں پہلی مرتبہ سکڑاؤ کا شکار ہوئی ہے۔جنوبی افریقہ میں بیروزگاری کی شرح 32.5 فیصد تک جا پہنچی اور جی ڈی پی میں 7.2 فیصد سکڑاؤ دیکھنے میں آیا۔جی ڈی پی کے 10 فیصد کے برابر امدادی پیکج دینے کے باوجود، یہ سکڑاؤ 1931ء کی عظیم کساد بازاری کے دوران آنے والے سکڑاؤ سے بھی زیادہ ہے۔

31۔بحران کروڑوں افراد کو غربت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رہا ہے۔جنوری 2021ء میں

ورلڈ بینک نے تخمینہ لگایا کہ 9 کروڑ افراد شدید غربت کا شکار ہو جائیں گے۔26 ستمبر 2020ء کو دی اکانومسٹ نے لکھا کہ ’’اقوام متحدہ اور بھی زیادہ رنجیدہ ہے۔ وہ ان افراد کو غریب شمار کرتا ہے جن کے پاس صاف پانی، بجلی، معقول غذا اور بچوں کے لئے سکول کی سہولت موجود نہیں۔

32۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے محققین کے ساتھ کام کرتے ہوئے ان کا اندازہ ہے کہ وباء 70 ممالک میں 49 کروڑ افراد کو غربت میں دھکیل کر تقریباً ایک دہائی کی حاصلات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گی‘‘۔

33۔ اقوامِ متحدہ کا ورلڈ فوڈ پروگرام یوں رقم طراز ہوتا ہے: ’’79 ممالک میں، جہاں ورلڈ فوڈ پروگرام کام کر رہا ہے اور وہاں کے اعداد و شمار موجود ہیں، 2021ء میں اندازاً 27 کروڑ لوگ شدید غذائی عدم تحفظ کا شکار ہوں گے۔ وباء سے پہلے کے مقابلے میں یہ 82 فیصد کا بے مثال اضافہ ہے‘‘۔

34۔ صرف یہی اعداد و شمار بحران کے عالمگیر اثرات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

35۔ پوری دنیا میں عمومی عدم استحکام نامیاتی طور پر بڑھتی غربت سے جڑا ہوا ہے۔ یہ علت و معلول دونوں ہے۔ یہ آج جاری کئی جنگوں اور خانہ جنگیوں کی بنیادی وجہ ہے۔ اس کی ایک مثال ایتھوپیا ہے۔

36۔ ایتھوپیا کو ایک ماڈل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ 2004ء سے 2014ء تک اس کی معیشت کی سالانہ شرحِ نمو 11 فیصد تھی اور اسے سرمایہ کاری کے لئے انتہائی موزوں ملک کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ اب تگرے صوبے میں لڑائی پھوٹ پڑنے کے بعد پورا ملک بحران کا شکار ہے، جہاں 30 لاکھ افراد کو ایمرجنسی غذائی امداد کی ضرورت ہے۔

37۔ یہ کوئی اکلوتی مثال نہیں ہے۔ پچھلے دور میں جنگوں سے متاثر ہونے والے ممالک کی فہرست طویل ہے اور انسانی آلام و مصائب کی داستان ہولناک ہے۔

38۔ افغانستان: 20 لاکھ اموات، یمن: 1 لاکھ اموات، میکسیکو میں منشیات کی جنگوں میں 2 لاکھ 50 ہزار افراد مارے جا چکے ہیں، ترکی میں کردوں کے خلاف جنگ: 45 ہزار، صومالیہ: 5 لاکھ

اموات،عراق: کم از کم 10 لاکھ اموات، جنوبی سوڈان: 4 لاکھ اموات۔

39۔اقوام متحدہ کے مطابق شام میں 4 لاکھ اموات ہوئی ہیں لیکن یہ اعداد وشمار بہت کم ہیں۔اصلی اعداد وشمار تو شاید کبھی بھی معلوم نہ ہوسکیں لیکن یہ کم از کم بھی 6 لاکھ ہوں گے۔کانگو میں خوفناک خانہ جنگیوں میں غالباً 4 لاکھ افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں۔لیکن ایک مرتبہ پھر حقیقی اعداد وشمار کسی کو معلوم نہیں۔حال ہی میں ہم نے نگورنو- کاراباخ کی جنگ بھی دیکھی ہے۔

40۔فہرست ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔اب ایسی خبریں اخبارات کے سرورق کی زینت نہیں بنتی۔لیکن یہ لینن کی ایک بات کی تائید ضرور کرتی ہیں کہ سرمایہ داری ایک نہ ختم ہونے والی وحشت ہے۔سرمایہ داری کی موجودگی یکے بعد دیگرے ممالک کو بربریت کے خطرے سے دوچار کرتی جا رہی ہے۔

ریاست کا بحران

41۔مارکسی نقطہ نظر سے معیشت کا مطالعہ کوئی مجرد علمی مشق نہیں ہوتی۔تمام طبقات کے شعوری ارتقاء پر معیشت کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

42۔جس طرف بھی نظر دوڑائی جائے ہمیں صرف معاشی بحران ہی نہیں بلکہ ریاست کا بحران بھی نظر آتا ہے۔یہ واضح ہو رہا ہے کہ بحران اتنا شدید ہے، اتنا گہرا ہے کہ حکمران طبقے کی سماج کو چلانے کے تمام روایتی اوزاروں پر گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے۔

43۔اس وجہ سے حکمران طبقہ واقعات میں مداخلت اور انہیں کنٹرول کرنے کی اہلیت بھی کھوتا جا رہا ہے۔اس کی واضح مثال امریکہ ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ دیگر کئی ممالک میں بھی اسی قسم کی صورتحال ہے۔یہاں اس نقطے کو واضح کرنے کے لیے ٹرمپ، بورس جانسن اور بولسونارو کا نام لینا ہی کافی ہے۔

امریکہ

44۔امریکہ اب عالمی تناظر میں مرکزی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ایک طویل عرصے تک دنیا کے امیر ترین اور طاقتور ترین ملک میں انقلاب کے امکانات خام خیالی معلوم ہوتے تھے۔لیکن امریکہ پر عالمی معاشی بحران کے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے ہیں اور اب ہر چیز اپنے الٹ میں تبدیل ہو چکی ہے۔

45۔ وباء کے دوران 6 کروڑ 80 لاکھ امریکیوں نے بیروزگاری الاؤنس کے لئے درخواستیں دیں اور ہمیشہ کی طرح سب سے زیادہ متاثر ہونے والے غرباء، کمزور اور خاص طور پر سیاہ فام ہی تھے۔ بیروزگاری کا خوفناک طوق سب سے زیادہ نوجوانوں کو بدحال کر رہا ہے۔ 25 سال کی عمر سے کم ایک چوتھائی نوجوان بیروزگار ہو چکے ہیں۔ ان کا مستقبل ختم ہو چکا ہے۔ خوش کن امریکی خواب اب بھیانک امریکی خواب میں تبدیل ہو چکا ہے۔

46۔اس ڈرامائی تبدیلی نے عمر رسیدہ افراد اور نوجوانوں، دونوں کو مجبور کر دیا ہے کہ ان خیالات پر نظرثانی کی جائے جو پہلے مقدس سمجھے جاتے تھے اور اس سماج کی نوعیت پر سوال اٹھائیں جس میں وہ زندگیاں گزار رہے ہیں۔ سیاسی افق کے ایک سرے پر برنی سینڈرز اور دوسرے پر ڈونلڈ ٹرمپ کے تیز ترین ابھار نے حکمران طبقے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ان کی نظر میں ایسا ہونا تو کبھی ممکن ہی نہیں تھا!

47۔صورتحال کی سنگینی کے خوف سے حکمران طبقہ کچھ ایمرجنسی اقدامات کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہاں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ بورژوا معیشت دانوں کے مقدس نظریات کے مطابق تو معاشی زندگی میں ریاست کا کوئی کردار بنتا ہی نہیں تھا۔

48۔لیکن بربادی سر پر منڈلاتے دیکھ کر حکمران طبقے نے تمام معاشی تھیوریاں کوڑے دان میں پھینک دیں۔ وہی ریاست، جسے آزاد منڈی کی تھیوری کے مطابق معاشی زندگی میں صفر یا کم سے کم کردار ادا کرنا چاہئے، اب واحد ستون رہ گئی ہے جس پر سرمایہ دارانہ نظام کھڑا ہے۔

49۔امریکہ سمیت تمام ممالک میں نام نہاد آزاد منڈی کی معیشت ایک کورونا زدہ مریض کی مانند لائف سپورٹ پر پڑی ہوئی ہے۔ ریاست کی جانب سے منڈی میں پھینکا گیا زیادہ تر پیسہ اشرافیہ

کی جیبوں میں چلا گیا ہے۔لیکن حکمران طبقہ ایک اور کارپوریٹ بیل آؤٹ کے نتیجے میں پھٹنے والے سیاسی نتائج سے بہت خوفزدہ ہے۔ اس لئے انہوں نے ہر شہری کو بھی پیسے دیئے اور بیروزگاری الاؤنس میں بے تحاشا اضافہ کیا۔اس وجہ سے سماج کی غریب ترین پرتوں کو بہرحال کچھ افاقہ ضرور ہوا۔لیکن مستقبل میں کسی موڑ پر یہ سہولیات کم کردی جائیں گی یا سرے سے ختم کر دی جائیں گی۔

50۔اس وقت سب سے خوفناک تضاد یہ ہے کہ دنیا کے امیر ترین ملک میں دل دہلا دینے والی غربت غلیظ ترین امارت اور عیاشی کے سائے میں پل رہی ہے۔اکتوبر 2020ء تک ہر پانچ میں سے ایک امریکی گھرانے کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ اشیائے خوردونوش خرید سکیں۔ ہر جگہ فوڈ بینک کھمبیوں کی مانند اگ رہے ہیں۔

عدم مساوات اور پولرائزیشن

51۔عدم مساوات تمام ریکارڈ توڑ چکی ہے۔امراء اور غرباء کے درمیان خلیج ناقابلِ عبور کھائی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ سال 2020ء میں عالمی ارب پتیوں کی دولت میں 3.9 ٹریلین ڈالر کا اضافہ ہوا۔Nasdaq 100 Index(امریکی سٹاک مارکیٹ میں رجسٹرڈ100 سب سے بڑی کمپنیوں کا انڈیکس جس میں مالیاتی ادارے شامل نہیں ہوتے) کا حجم وباء کے بعد 40 فیصد بڑھ چکا ہے۔ مارچ 2020ء سے فروری 2021ء تک رجسٹرڈ مالیاتی حصص کی مالیت میں 24 ٹریلین ڈالر کا اضافہ ہو چکا تھا۔

52۔S&P 500 (سٹینڈرڈ اینڈ پوورز 500۔ایک امریکی سٹاک مارکیٹ انڈیکس جس میں 500 سب سے بڑی کمپنیاں شامل ہیں) کمپنیوں کے کسی چیف ایگزیکٹیو کی آمدن ایک عام ملازم کی اوسط آمدن سے 357 گنا زیادہ ہے۔1960ء کی دہائی میں یہ فرق 20 گنا تھا۔1989ء میں رونلڈ ریگن کی حکومت کے اختتام پر یہ فرق 28 گنا تھا۔

53۔ یہاں صرف ایمازون کمپنی کے مالک جیف بیزوس کی مثال کافی ہے جو اس وقت ایک سیکنڈ

میں اتنی کمائی کر رہا ہے جتنی ایک عام امریکی محنت کش ایک ہفتے میں کرتا ہے! امریکہ ڈکیت سرمایہ داروں کے دور میں واپس جا چکا ہے جن کی پہلی عالمی جنگ سے پہلے صدر تھیوڈور روزویلٹ نے شدید مذمت کی تھی۔

54۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتحال اپنے اثرات مرتب کر رہی ہے۔ ''قومی مفادات''، ''ہمیں وائرس کے خلاف متحد ہونا ہوگا''، ''ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں'' وغیرہ جیسی منافقت سے لتھڑی بیان بازی کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔

55۔ عوام مخصوص حالات میں قربانیاں دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ جنگی حالات میں لوگ ایک مشترکہ دشمن سے لڑنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ کم از کم عارضی طور پر وہ معیارِ زندگی میں گراوٹ اور کسی حد تک جمہوری حقوق پر قدغنیں برداشت کر لیتے ہیں۔

56۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ امارت اور غربت کے درمیان خلیج اتنی بڑھ چکی ہے کہ سماجی اور سیاسی پولرائزیشن مسلسل گہری ہو رہی ہے اور سماج ایک آتش فشاں بن رہا ہے۔ اس لئے حکمران طبقے کی تمام تر کوششوں کے باوجود قومی اتحاد اور یکجہتی کی روایتی فضاء بن نہیں پا رہی۔

57۔ فیڈرل ریزرو کے اعداد و شمار کے مطابق سال 2020ء کے آخر میں امریکی امیر ترین 10 فیصد آبادی کی کل دولت 80.7 ٹریلین ڈالر ہو چکی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ دولت جی ڈی پی کے 375 فیصد کے برابر ہو کر تاریخ کی بلند ترین سطح پر جا پہنچی ہے۔

58۔ اس پر 5 فیصد ٹیکس لگا کر 4 ٹریلین ڈالر یا جی ڈی پی کا پانچواں حصہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس پیسے سے وباء کے تمام اخراجات پورے کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن امیر ڈاکو اپنے لوٹ کے مال میں کسی کو حصہ دار بنانے کے لئے تیار نہیں۔ ان میں سے زیادہ تر (بشمول ڈونلڈ ٹرمپ) کو پہلے ہی ٹیکس دینے کا کوئی شوق نہیں، 5 فیصد تو بہت دور کی بات ہے۔

59۔ ایک ہی حل موجود ہے کہ بینکوں اور سرمایہ داروں کی تمام دولت ضبط کر لی جائے۔ ناگزیر طور یہ خیال زیادہ سے زیادہ مقبولیت حاصل کرے گا اور سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف تعصّبات کو تنکوں کی مانند بہا لے جائے گا۔ اس سوچ کی حامی وہ پرتیں بھی ہوں گی جو وقتی طور پر ڈونلڈ ٹرمپ کی

لفاظی سے متاثر ہو گئی تھیں۔

60۔ یہ ساری صورتحال سرمائے کے سنجیدہ حکمت کاروں کو بہت پریشان کر رہی ہے۔ JP Morgan کی دولت اور اثاثوں کے مینجمنٹ سیکشن کی سربراہ میری کیلاہان ایردوس نے کہا ہے کہ ”آپ اس ساری کیفیت میں انتہا پسندی کے بہت زیادہ خطرات دیکھیں گے۔ ہمیں بدلنے کے لئے کوئی طریقہ تلاش کرنا ہے ورنہ ہم بہت خطرناک صورتحال میں پھنس جائیں گے“۔

امریکی پارلیمان پر حملہ

61۔ 6 جنوری کو کیپٹل (امریکی پارلیمان) پر ہونے والا حملہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ امریکہ کو اب حکومت کے ہی نہیں بلکہ خود ریاست کے بحران کا سامنا ہے۔

62۔ یہ واقعات ’کو‘ نہیں تھے اور نہ ہی کوئی بغاوت، لیکن انہوں نے سماج کی گہرائیوں میں ابلتے شدید غم و غصے اور ریاست کی بنیادوں میں پڑی دراڑوں پر سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ سماج میں پولرائزیشن اب نقطہ ابال کو پہنچ چکی ہے۔ یہ بورژوا جمہوریت کے اداروں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔

63۔ امراء، طاقتور لابیوں، وال سٹریٹ اور واشنگٹن اسٹیبلشمنٹ (بقول ٹرمپ ایک ”جوہڑ“) کے خلاف ایک نفرت سلگ رہی ہے۔ اس نفرت کو انتہائی مہارت سے دائیں بازو کے انتہا پسند ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

64۔ ظاہر ہے ٹرمپ خود اس غلیظ جوہڑ کا سب سے چالاک اور بھوکا مگرمچھ ہے۔ اس کے لئے سب سے اہم اس کے اپنے مفادات ہیں۔ لیکن اس کام میں اس نے مجموعی طور پر حکمران طبقے کے مفادات کو شدید زک پہنچائی ہے۔ وہ آگ سے کھیل رہا ہے اور اس نے ان قوتوں کو بے لگام کر دیا ہے جنہیں وہ نہ خود اور نہ کوئی اور کنٹرول کر سکتا ہے۔

65۔ اپنے اعمال اور الفاظ دونوں سے ٹرمپ بورژوا اداروں کے وجود کے جواز کو تباہ کرتے ہوئے شدید عدم استحکام کا سبب بن رہا تھا۔ اس لئے ہر جگہ حکمران طبقہ اور ان کے سیاسی نمائندے اس

کے اقدامات سے خوف و ہراس کا شکار تھے۔

مواخذہ

66۔ڈیموکریٹک پارٹی نے ٹرمپ پر بغاوت کا الزام لگا کر اس کا مواخذہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جیسا کہ نظر آ رہا تھا، وہ سینٹ میں ناکام رہے۔اگر ایسا ہو جاتا تو وہ مستقبل میں انتخابات میں حصہ لینے کے لئے نااہل ہو جاتا۔

67۔زیادہ تر رپبلیکن سینیٹرز اس حوالے سے بہت خوش ہوتے۔ وہ اس سیاسی نو وارد سے نفرت کرتے ہیں اور خوفزدہ بھی ہیں۔انہیں معلوم ہے کہ 6 جنوری کے واقعات کی پشت پناہی کون کر رہا تھا۔سابق صدر کو بری کرنے کے بعد رپبلیکن سینٹ قائد مچ میک کونل نے اس کی شدید سرزنش کی۔

68۔درحقیقت وہ اور دیگر رپبلیکن سینیٹرز انتہائی خوفزدہ تھے کہ اگر وہ مواخذہ کرتے ہیں تو پھر ٹرمپ کے غصیلے حامیوں کا کیا ردِعمل ہوگا۔انہوں نے فیصلہ کیا کہ ٹرمپ کو سیاسی شہید بنانے سے بہتر ہے کہ معاملہ رفع دفع کیا جائے۔

69۔لیکن اگر یہ واقعی ایک بغاوت کی کوشش تھی تو انتہائی بھونڈی تھی۔ بغاوت کے بجائے یہ ایک بلوہ تھا۔ٹرمپ کے بپھرے ہوئے حامی، یقیناً کچھ چوکیداروں کی معاونت کے ساتھ، کیپٹل میں گھسے تھے۔لیکن اتنی آسانی کے ساتھ امریکی بورژوا جمہوریت کے مقدس ترین ادارے میں گھسنے کے بعد انہیں کچھ سمجھ بوجھ نہیں تھی کہ اب کرنا کیا ہے۔

70۔غیر منظّم اور قیادت سے محروم ہجوم بے کار عمارت میں گھومتا رہا اور توڑ پھوڑ کرتا رہا۔اس کے ساتھ وہ ڈیموکریٹ نینسی پیلوسی، رپبلیکن نائب صدر مائک پینس اور مچ میک کونل کو گالیاں دیتے رہے کیونکہ ان کے نزدیک انہوں نے ٹرمپ کو دھوکہ دیا تھا۔اس دوران باغیوں کا سربراہ غائب رہا۔

71۔اگر تاریخ اپنے آپ کو پہلے ایک المیے اور پھر ایک بھونڈے تماشے کے طور پر دہراتی ہے تو پھر

یہ ایک منفرد بھونڈا تماشا تھا۔ آخر، کسی کو پھانسی نہیں دی گئی اور کسی کی گردن نہیں اڑائی گئی۔ بے تحاشا چیخ و پکار کے بعد ''باغی'' چپ چاپ گھر چلے گئے یا پھر قریب کے شراب خانوں میں، جہاں وہ دھت ہو کر اپنے کارناموں کی ڈینگیں مارتے رہے۔ پیچھے بس کوڑا کرکٹ اور چند ایک زخمی انائیں ہی بچی تھیں۔

72۔ لیکن حکمران طبقے کے نقطہ نظر سے ایک خطرناک مثال قائم ہو چکی ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے سرمایہ کار فنڈ برج واٹر ایسوسی ایٹس کے خالق رے ڈالیو کا کہنا تھا کہ ''ہم ایک خوفناک خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ امریکہ ایسی جگہ آ کھڑا ہوا ہے جہاں صورتحال قابل کنٹرول اندرونی تناؤ سے بگڑ کر انقلاب کی طرف جا سکتی ہے''۔ کیپٹل پر حملہ حکمران طبقے کے لئے سنجیدہ وارننگ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے نتائج نکلیں گے۔ میڈیا میں تمام تر مخالف اشتعال انگیزی کے باوجود 45 فیصد رجسٹرڈ ریپبلیکنز کا کہنا تھا کہ جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔

73۔ لیکن اس کا موازنہ ایک انتہائی معنی خیز حقیقت سے کرنا چاہیے کہ جب 54 فیصد امریکیوں نے منیاپولس میں ایک پولیس تھانے کے جلانے کو درست قرار دیا۔ آبادی کے 10 فیصد حصے نے بلیک لائیوز میٹر مظاہروں میں حصہ لیا جو کیپٹل پر حملہ کرنے والوں سے 20 ہزار گنا زیادہ بنتا ہے۔ یہ سب امریکہ میں سماجی اور سیاسی پولرائزیشن کے تیز ترین بڑھاؤ کا ثبوت ہے۔

74۔ جارج فلوئیڈ کے قتل کے بعد ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اٹھنے والے دیو ہیکل خودرو مظاہرے اور صدارتی انتخابات سے پہلے اور بعد میں رونما ہونے والے بے مثال واقعات پوری صورتحال میں ایک نئے تاریخی موڑ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

شعور میں تبدیلیاں

75۔ بیوقوف لبرلز اور اصلاح پسندوں کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ واقعات کو صرف سطحی طور پر ہی دیکھ سکتے ہیں اور سماج کی گہرائیوں میں پنپنے والے عوامل کو سمجھنے سے عاری ہیں۔

76۔ یہ ہر وقت فسطائیت کا رونا روتے رہتے ہیں اور فسطائیت سے ان کی مراد ہر وہ مظہر ہے جسے

وہ ناپسند کرتے ہیں یا جس سے خوفزدہ ہیں۔ فسطائیت کیا ہوتی ہے انہیں کچھ پتہ نہیں۔ لیکن ہر وقت ''جمہوریت کو خطرہ ہے'' (ان کی مراد بورژوا جمہوریت ہے) کا راگ الاپ کر یہ تذبذب پھیلاتے ہیں اور ''کم تر برائی'' کے جھنڈے تلے طبقاتی مفاہمت کے لئے راہ ہموار کرتے ہیں۔ امریکہ میں جو بائڈن کی حمایت اس کی ایک مثال ہے۔

77۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ٹرمپ کی سماجی بنیاد انتہائی متنوع اور متضاد کردار کی حامل ہے۔ اس میں بورژوازی کا ایک دھڑا ہے جس کا قائد ٹرمپ ہے اور دیگر حصوں میں رجعتی پیٹی بورژوازی، مذہبی انتہاء پسند اور کھلے فسطائی شامل ہیں۔

78۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ٹرمپ نے حالیہ انتخابات میں 7 کروڑ 40 لاکھ ووٹ حاصل کیے تھے اور ان میں سے کئی ووٹ محنت کش طبقے سے تعلق رکھنے والے ان ڈیموکریٹس کے ہیں جنہوں نے اوباما کو ووٹ ڈالا تھا اور اب اپنی پارٹی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ جب ان کا انٹرویو لیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ''واشنگٹن کو ہماری کوئی پرواہ نہیں! ہم بے یارو مددگار عوام ہیں!''

79۔ صورتحال کا تند و تیز جھکاؤ کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ہو جاتا ہے۔ لیکن فطرت کو خلاء پسند نہیں اور اصلاح پسندوں کے دیوالیہ پن، جن میں بائیں بازو کے اصلاح پسند بھی شامل ہیں، کی وجہ سے عوامی غم و غصے اور پریشانی سے دائیں بازو کے انتہا پسندوں یعنی نام نہاد پاپولسٹوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی لئے امریکہ میں ٹرمپ ازم جبکہ برازیل میں ہمیں بولسونارو نظر آتا ہے۔

80۔ لیکن جب دائیں بازو کے اشتعال انگیز حکومت میں آتے ہیں تو ان کی حمایت بھاپ بن کر اڑ جاتی ہے۔ اس کی مثال بولسونارو ہے۔ یہ درست ہے کہ ٹرمپ کی ابھی بھی حمایت کروڑوں میں ہے لیکن بہر حال وہ اب حکومت میں نہیں ہے۔

81۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کیپٹل پر حملے کے دنوں میں میسوری سے سینیٹر جوش ہاؤلے نے کہا کہ ''واشنگٹن میں موجود ریپبلیکنز کو یہ سارا معاملہ ہضم کرنے میں بڑی دشواری ہوگی۔۔۔ لیکن مستقبل واضح ہو چکا ہے کہ ہمیں وال سٹریٹ پارٹی کے بجائے محنت کشوں کی پارٹی بننا ہے۔'' (دی

گارڈین)

82۔لینن نے کہا تھا کہ تاریخ ہر قسم کی عجیب وغریب تبدیلیوں سے بھری پڑی ہے۔مارکس وادیوں کواس قابل ہونا چاہیے کہ وہ ترقی پسند کو رجعتی سے علیحدہ شناخت کرسکیں۔ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تمام واقعات،امریکہ میں مستقبل میں ہونے والی انقلابی پیشرفتوں کے بیج ہیں۔

83۔ظاہر ہے کہ اس سینیٹر کا امریکہ میں ایک حقیقی محنت کش پارٹی تعمیر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی پارٹی رپبلیکن پارٹی میں دائیں بازو کی تقسیم سے برآمد ہوگی۔لیکن پرانے دو پارٹی نظام میں دراڑوں کا پڑ جانا ایک نئی کیفیت کی نشاندہی کر رہا ہے یعنی ایک تیسری پارٹی کا ابھار جو ڈیموکریٹس اور رپبلیکنز دونوں کو چیلنج کرے گی۔

84۔ایسی کوئی بھی پارٹی اپنی ابتداء میں انتہائی متذبذب اور متنوع کردار کی حامل ہوگی۔لیکن سرمایہ دار مخالف رجحان جلد یا بدیر حاوی ہو کر رہے گا۔یہی نظام کو درپیش حقیقی خطرہ ہے۔جب عوام براہِ راست سیاست میں مداخلت کرنا شروع کردیں،جب وہ فیصلہ کرلیں کہ تقدیر اب اپنے ہاتھوں میں لینے کا وقت آ گیا ہے تو یہ بذاتِ خود مستقبل قریب میں انقلابی پیشرفتوں کی نوید ہے۔

85۔سرمائے کے سنجیدہ حکمت کار موجودہ انتشار میں پنپنے والے امکانات سے تاثر پسند اور خوفزدہ پیٹی بورژوازی سے زیادہ واقف ہیں۔30 دسمبر 2020ء کو فنانشل ٹائمز نے ادارتی بورڈ کے دستخط کے ساتھ ایک دلچسپ مضمون شائع کیا۔

86۔اس میں اس تمام ترعمل کی بالکل مختلف منظر کشی کرتے ہوئے اس کے خطوط کو وضع کیا گیا اور جو نتائج اخذ کیے گئے وہ بورژوا نقطہ نظر سے انتہائی خطرناک ہیں۔

87۔”معاشی تبدیلیوں کے نتیجے میں پیچھے رہ جانے والے گروہ اب نتیجہ اخذ کر رہے ہیں کہ انہیں درپیش مسائل کی حکمرانوں کو کوئی پرواہ نہیں۔یا پھر انہوں نے دھاندلی کے ذریعے معیشت کو ہماری قیمت پر اپنے فائدوں کے لئے منظّم کیا ہوا ہے۔

88۔”سست روی سے ہی سہی لیکن یقیناً یہ خیالات سرمایہ داری اور جمہوریت کو ایک دوسرے کے ساتھ تناؤ میں لا رہے ہیں۔عالمی معاشی بحران کے بعد سے دھوکے کے اس احساس نے

عالمگیریت اور لبرل جمہوریت کے اداروں کے خلاف سیاسی غم و غصے کو تقویت بخشی ہے۔

89۔ ”دائیں بازو کا پاپولزم اس غم و غصے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن سرمایہ دارانہ منڈیوں کو چھیڑے بغیر۔

90۔ چونکہ وہ معاشی طور پر بدحال لوگوں سے کئے گئے اپنے وعدے پورے نہیں کر سکتا، چنانچہ عین ممکن ہے کہ جلد یا بدیر خود سرمایہ داری اور اس سے مستفید ہونے والوں کے خلاف درانتیاں باہر نکل آئیں“۔

91۔ یہ مضمون طبقاتی جدوجہد کی حرکیات کی انتہائی درست عکاسی کرتا ہے۔ یہاں استعمال ہونے والے الفاظ بھی معنی خیز ہیں۔ درانتیوں سے لیس ہونا فرانسیسی انقلاب یا 1381ء کی کسان بغاوت کی طرف اشارہ ہے جب کسانوں نے لندن پر قبضہ کر لیا تھا۔

92۔ اس تحریر کے مصنفین بخوبی جانتے ہیں کہ نام نہاد دائیں بازو کے پاپولزم کا ابھار محض ایک انقلابی دھماکے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ دائیں طرف عوامی رائے کا متشدد جھکاؤ بائیں جانب اور بھی زیادہ شدت سے اظہار کرے گا کیونکہ عوام مسلسل بحران سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔

93۔ آنے والے عرصے میں بننے والی صورتحال کے حوالے سے یہ ایک انتہائی زیرک پیش گوئی ہے۔ یہ صرف امریکہ میں ہی نہیں ہو رہا۔ اگر ہر ملک میں نہیں تو کئی ممالک میں شدید انتشار دیکھا جا سکتا ہے۔ زیرِ سطح پرانے نظام کے خلاف غم و غصہ اور نفرت مسلسل پنپ رہے ہیں۔

’سینٹر‘ کا انہدام

94۔ بورژوا جمہوریت کے اداروں کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ امراء اور غرباء کے درمیان خلیج کی پردہ پوشی کرتے ہوئے اس مسئلے کو مخصوص حدود میں قید کر کے اس سے نمٹا جا سکتا ہے۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں۔

95۔ مسلسل بڑھتی طبقاتی عدم مساوات سماجی پولرائزیشن کو پچھلی چند دہائیوں کی بلند ترین سطح پر لے

گئی ہے۔اس وجہ سے بورژوا جمہوریت کے روایتی اوزار کڑے امتحان سے گزر رہے ہیں اوران کی صلاحیتیں آخری حد تک ٹیسٹ ہورہی ہیں۔

96۔امراءاورغرباء کے درمیان کشمکش ہرگزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔اس سے ان قوتوں کوتقویت مل رہی ہے جوان طبقات کے درمیان دراڑوں کواور زیادہ گہرا کررہی ہیں۔اس وجہ سے نام نہاد سینٹرمنہدم ہو چکا ہے۔

97۔اس سے حکمران طبقے میں خوف وہراس بڑھ رہا ہے کیونکہ انہیں محسوس ہورہا ہے کہ طاقت ان کی مٹھی سے پھسل رہی ہے۔ہرجگہ اسٹیبلشمنٹ کی پارٹیوں کو جبری کٹوتیوں اور معیارِ زندگی پر حملہ کرنے والی پارٹیوں کے بطور جانا جاتا ہے۔

98۔سماج میں بہت غصہ ہے۔اس غصے کا اظہار موجودہ نظام کے سرکاری اداروں، سیاسی پارٹیوں،حکومتوں، سیاسی لیڈروں، بینکاروں، امراء، پولیس، عدلیہ،موجودہ قوانین، روایات، مذہب اوراخلاقیات پر عدم اعتماد سے ہورہا ہے۔اب اخباروں اورٹی وی پر جوبھی خبرآتی ہے لوگ اس پراعتبارنہیں کرتے۔وہ کہی گئی باتوں اورذاتی تجربے کا موازنہ کر کے نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہم سے صرف جھوٹ بولا جارہا ہے۔

99۔ایسا ہمیشہ سے نہیں تھا۔ماضی میں لوگ سیاست پر زیادہ دھیان نہیں دیتے تھے۔یہ محنت کشوں کے لئے بھی درست ہے۔عام طور پر کام کی جگہوں پر گفتگوفٹبال،فلموں،ٹی وی وغیرہ کے گرد گھومتی رہتی تھی۔شاید انتخابات کے وقت کے علاوہ سیاست کا خاص ذکرنہیں ہوتا تھا۔

100۔اب سب کچھ تبدیل ہو گیا ہے۔عوام سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں کیونکہ اب انہیں احساس ہورہا ہے کہ اس کا براہ راست ان کی اوران کے خاندانوں کی زندگیوں پراثر پڑتا ہے۔یہی بذات خود انقلاب کی طرف پہلا قدم ہے۔

101۔ماضی میں اگرلوگ ووٹ ڈالنے کا تردد کرتے بھی تھے تو ووٹ انہی پارٹیوں کوڈالا جاتا تھا جنہیں ان کے والدین یااس سے پچھلی نسل ووٹ ڈالتی تھی۔لیکن اب انتخابات شدید غیرمتوقع ہو چکے ہیں۔ووٹروں کا موڈ غصیلا، بداعتمادی سے بھرپوراور طیران پذیر ہو چکا ہے جوتیزی سے کبھی

دائیں جانب جھکتا ہے اور کبھی بائیں جانب۔

بائیڈن حکومت کا تناظر

102۔سرمائے کے حکمت کار سمجھ رہے ہیں کہ اس پولرائزیشن میں کیا خوفناک خطرات پنہاں ہیں اور وہ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ ''سینٹر'' سیاست دوبارہ بحال کی جائے۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس کی کوئی معروضی بنیادیں موجود نہیں ہیں۔اس لیے جو بائیڈن پر تکیہ کرنا بے سود ہے۔

103۔وال سٹریٹ نے اب اپنی تمام امیدیں بائیڈن حکومت اور اس کے ویکسین پروگرام سے وابستہ کر لی ہیں۔لیکن بائیڈن ایک ایسے وقت میں صدارت پر براجمان ہوا ہے جب معاشی اور سیاسی بحران اپنی حدوں کو چھو رہا ہے اور پوری قوم منقسم اور انحطاط پذیر ہے۔

104۔اسٹیبلشمنٹ اس پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ معیشت میں ریاستی مداخلت بڑھائی جائے اور اس نے کوئی وقت ضائع کئے بغیر امریکی معیشت کے لئے 1.9 ٹریلین ڈالر کے امدادی پیکج کا اعلان کر دیا ہے۔اگر اس میں پچھلی کانگریس کا 900 بلین ڈالر پیکج اور وباء کے آغاز میں 3 ٹریلین ڈالر کا امدادی پیکج بھی شامل کر لیں تو یہ قرضوں کا ایک دیوہیکل پہاڑ بن جاتا ہے۔حکمران طبقہ شدید ہیجان میں دوبارہ سیاسی استحکام بحال کرنے کی کوششیں کر رہا ہے۔

105۔ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر کینیتھ روگوف نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''بائیڈن جو کچھ کر رہا ہے مجھے اس سے ہمدردی ہے۔۔۔ ہاں اس بات کا خدشہ ہے کہ مستقبل میں ہمیں معاشی عدم استحکام کا سامنا ہوگا لیکن فی الحال ہم سیاسی عدم استحکام کا شکار ہیں''۔یہ ساری صورتحال مستقبل میں ایک دیوہیکل بحران کی بنیادیں رکھ رہی ہے۔

106۔اس دوران کروڑوں متنفر افراد کو یقین ہی نہیں ہے کہ بائڈن انتخابات جیت چکا ہے۔وہ جو کچھ بھی کر لے ان کی نظر میں غلط ہی ہوگا۔دوسری طرف ایک مرتبہ ٹرمپ سے جان چھڑوانے کی خوشی ختم ہو جائے تو اس سے حد سے زیادہ امیدیں لگائے بیٹھے بہت سے حامیوں کا جوش بھی جھاگ کی مانند بیٹھ جائے گا۔اور، اگرچہ، اس کو ناگزیر طور پر کچھ عرصہ بطور ہنی مون گزارنے کا

موقع ملے گا لیکن اس کے بعد بڑے پیانے پر مایوسی میں اضافہ ہوگا اور نئے بحرانات، انتشار اور عدم استحکام کی راہ ہموار ہوگی۔

لاطینی امریکہ

107۔عوامی صحت اور معاشی بحران کے حوالے سے کورونا وباء کے لاطینی امریکہ پر تباہ کن اثرات مرتب ہوئے ہیں اور یہ دنیا کے سب سے زیادہ متاثرہ علاقوں میں سے ایک ہے۔

108۔خطے کے جی ڈی پی میں سال 2020ء میں 7.7 فیصد گراوٹ آئی جو پچھلے 120 سالوں میں سب سے زیادہ ہے۔اس سے پہلے دہائیوں سے معیشت جمود کا شکار تھی اور 19-2014ء کے دورانیے میں شرحِ نمو محض 0.3 فیصد تھی۔پیش گوئی کی جا رہی ہے کہ وباء سے پہلے موجود جی ڈی پی تک بحالی بھی سال 2024ء تک ہی ممکن ہوگی۔غریب ترین افراد کی شرح 1990ء کی سطح پر پہنچ چکی ہے۔

109۔ یہ حالات میں وباء سے پہلے ہی سماجی اور سیاسی کشمکش کو بڑھاوا دے رہے تھے۔لاطینی امریکہ میں، 2019ء میں اٹھنے والی عوامی تحریکوں (ایکواڈور، چلی)، جو کہ عالمی رجحان (الجزائر، سوڈان، عراق، لبنان) کا حصہ تھیں، کو وباء کی وجہ سے بریک لگ گئی جس نے پورے براعظم کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے تباہ کن اثرات مرتب کیے۔

110۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ اموات کی شرح والے ممالک میں برازیل شامل ہے جبکہ پیرو بھی کچھ زیادہ پیچھے نہیں۔ایکواڈور میں بھرے مردہ خانوں کے باہر تابوتوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور کچھ جگہوں پر لاشیں سڑکوں پر پڑی ہوئی تھیں۔

111۔لیکن سال 2020ء کے وسط میں عوامی تحریکیں پھر ابھرنا شروع ہوگئیں۔ستمبر 2020ء میں پولیس گردی کے خلاف کولمبیا میں تحریک پھٹ پڑی اور عوام نے 40 پولیس سٹیشن جلا ڈالے۔ پیرو میں دو حکومتیں عوامی تحریکوں کا ہدف بنیں اور گوئٹے مالا میں احتجاجوں کے دوران پارلیمنٹ کو آگ لگا دی گئی۔

112۔ برازیل میں بائیں بازو اور فرقہ پروروں نے نام نہاد ''فسطائیت'' کی فتح پر بہت واویلا کیا لیکن اس وقت بولسونارو کی حمایت تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ ہمارے برازیلی کامریڈز نے ''Fora Bolsonaro'' (بولسونارو کو باہر نکالو!) کا نعرہ بلند کیا، جسے بائیں بازو نے یوٹوپیائی قرار دے کر مسترد کر دیا تھا، اور اب یہ نعرہ عوامی پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

113۔ ''مردِ آہن'' بولسونارو اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ وہ اپنی پارٹی بھی نہیں بنا سکا۔ اگرچہ وہ شدید ہیجان میں مسلسل کوششیں کر رہا ہے لیکن اس سے پارٹی رجسٹریشن کے لئے درکار دستخط بھی پورے نہیں ہو رہے۔

114۔ مسئلہ بولسونارو کی طاقت نہیں بلکہ بائیں بازو کی کمزوری ہے۔ ایک زمانے میں PT کو محنت کش طبقے کی بھاری حمایت حاصل تھی لیکن حالیہ انتخابات میں اس میں بے پناہ کمی آئی ہے۔ یہاں سوال معروضی مسائل کا نہیں بلکہ موضوعی کمزوری کا ہے۔

115۔ اس اثنا میں، کیوبا کو شدید معاشی بحران کا سامنا ہے جس کی وجہ کورونا وباء تھی مگر ٹرمپ کی عائد کردہ پابندیوں اور دیگر معاشی اقدامات نے اس کی شدت کو بڑھا دیا۔ 2020ء میں کیوبا کی معیشت میں 11 فیصد گراوٹ کی پیش گوئی کی گئی تھی۔

116۔ اب قیادت مجبور ہو گئی ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ منڈی کے ان اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے کا آغاز کرے جو پچھلے 10 سالوں سے زیر بحث تھے لیکن پوری طرح لاگو نہیں کیئے گئے تھے۔ ان میں کرنسی کی وحدت، ریاستی کمپنیوں کے مابین منڈی کے تعلقات، ان ریاستی کمپنیوں کی بندش جو ''منافع بخش'' نہیں ہیں، بنیادی اشیائے خورد و نوش پر سبسڈیاں ختم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

117۔ ان اقدامات سے پہلے ہی عدم مساوات اور بے چینی بڑھ رہے ہیں۔ یہ سرمایہ دارانہ بحالی کی طرف سفر میں ایک اہم موڑ ہے۔

یورپ

118۔سال 2020ء میں یورپی یونین کے رکن ممالک کے حقیقی جی ڈی پی میں 7 فیصد گراوٹ آئی۔دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ یورپ میں سب سے بڑی گراوٹ ہے۔سرکاری اعدادوشمار کے مطابق 1 کروڑ 32 لاکھ افراد بیروزگار ہیں لیکن اگر چھٹی پر بھیجے جانے والے افراد کو بھی شامل کرلیا جائے تو حقیقی بیروزگاری کے اعدادوشمار 12.6 فیصد (لگ بھگ 2 کروڑ) بنتے ہیں۔مزید 3 کروڑ افراد سرکاری اعدادوشمار میں سے ویسے ہی غائب ہیں جسے ''خفیہ بیروزگاری'' کا نام دیا گیا ہے۔

119۔یورپی کمیشن کورونا ویکسین کی دستیابی کو یقینی بنانے میں ناکام رہا اور نتیجتاً پورے یورپ میں ویکسین کی شدید قلت ہے۔ابتداء میں ڈنمارک کو 40 ہزار ویکسینز ملیں جبکہ امید 3 لاکھ کی تھی۔جبکہ آغاز میں ہالینڈ کو ایک ویکسین بھی نہیں ملی۔

120۔پچھلے سال حفاظتی کٹس کی قلت کے بحران کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کے بعد اب ناکام ویکسین پروگرام کا سامنا ہے۔جب اٹلی خوفناک بحران میں ڈوبا ہوا تھا تو اس وقت نام نہاد یورپی یکجہتی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی۔نفسانفسی عروج پر تھی۔ویکسین پروگرام یورپی یونین میں یکجہتی کو بحال کرنے کی ایک کوشش تھی جو ناکام ہو چکی ہے۔

121۔کورونا وبا سے نمٹنے کے لیے لگائی گئی پابندیوں (لاک ڈاؤن وغیرہ) کے نتیجے میں یورو زون کے 21 ممالک میں معیشت سست روی کا شکار ہوگئی اور حالات بد سے بدتر ہو گئے۔اب پورے بلاک کو ڈبل ڈپ گراوٹ کا سامنا ہے۔

122۔پچھلے موسمِ بہار میں وباء کی وجہ سے یوروزون کو اچانک زوردار جھٹکا لگا تھا لیکن اب تیزی سے بڑھتا مرض طوالت اختیار کر رہا ہے اور معیشت مزید گراوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔

123۔سال 2021ء کے پہلے ہفتوں میں سفر، پرچون، ہوٹلنگ، کاروباری اعتماد اور صارفین کی کھپت سب متاثر ہوئے ہیں۔اس سے دیوالیوں کا خطرہ بہت زیادہ بڑھ چکا ہے۔اگر حکومتیں اور مرکزی بینک معیشت کو سہارا نہیں دیتے تو حالات بہت زیادہ خراب ہو جائیں گے۔

124۔اس لئے معیشت دان پیش گوئی کر رہے ہیں کہ سال 2020ء کی آخری سہ ماہی میں یورو زون کی پیداوار میں 1.8-2.3 فیصد تک کمی واقع ہوگی اور سال 2021ء کی پہلی سہ ماہی میں بلاک کی بڑی معیشتوں میں، جن میں جرمنی اور اٹلی شامل ہیں، ایک مرتبہ پھر گراوٹ آئے گی۔اگر ایسا ہوا تو یوروزون میں یہ دوسری معاشی گراوٹ ہوگی یعنی دو سال سے کم عرصے میں دو متواتر سہ ماہیوں میں منفی شرح نمو۔

125۔ بریگزٹ اور ٹرمپ کے بعد، ٹرمپ نے ہر یورپی مظہر سے اپنی نفرت کبھی نہیں چھپائی، یورپی بورژوازی محسوس کر رہی ہے کہ وہ اب اپنے روایتی اتحادیوں پر مزید انحصار نہیں کر سکتے۔ بیوقوف ایمانوئل میکرون نے ٹرمپ کی چاپلوسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اسے شرمناک ناکامی ہوئی۔

126۔ٹرمپ نے واضح کیا تھا کہ وہ یورپ کو بنیادی دشمن کے طور پر دیکھتا ہے جبکہ روس محض ایک ''مسابقتی'' ملک ہے۔اس نے اپنے الفاظ کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ یورپ اور چین برابری میں اس کی تحفظاتی پالیسیوں کا نشانہ رہے۔ اس کا یہ جنگجوانہ رویہ آخری دن تک قائم رہا۔ نئے سال پر امریکہ نے یورپی یونین سے جہازوں کے پارٹس اور فرانس اور جرمنی سے شراب کی درآمد پر نئے محصولات کا اعلان کیا تھا۔

127۔ بائیڈن یورپ کے ساتھ تعلقات کو بہتر کرنا چاہتا ہے۔اس نے دوبارہ سے امریکہ کے عالمی کردار کو بحال کرنے کا وعدہ کیا ہے جس میں WHO (عالمی ادارۂ صحت) اور پیرس ماحولیاتی معاہدے میں دوبارہ شمولیت بھی شامل ہے۔اس نے WTO (ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن) کے لئے ایک نئے ڈائریکٹر جنرل کی حمایت بھی کی ہے۔ ایرانی جوہری معاہدے کی طرف رویہ بھی تبدیل کر لیا گیا ہے۔ یورپ نے ان تمام اقدامات کا خیر مقدم کیا ہے کیونکہ وہ وائٹ ہاؤس کی نظر کرم کو ترس رہے تھے۔ٹرمپ نے اس نئی حکمت عملی کو ''سب سے آخر میں امریکہ'' کا نام دیا ہے۔

128۔لیکن دونوں فریقوں میں ایسے مسائل بھی موجود ہیں جو اتنی جلدی حل نہیں ہو سکتے۔ یورپی، چین کے حوالے سے امریکی پالیسی سے متفق نہیں ہیں۔ دوسری طرف وہ امریکہ چین تجارتی جنگ

سے بھرپور فائدہ بھی اٹھانا چاہتے ہیں۔ٹرمپ کی صدارت کے آخری دنوں میں چین اور یورپ کے درمیان طے پانے والے سرمایہ کاری کے معاہدے کو جو بائیڈن کی تذلیل کے طور پر دیکھا گیا لیکن صدر کو یہ کڑوی گولی نگلنا پڑی۔

129۔ کچھ اور دیرینہ مسائل بھی ہیں جن میں دہائیوں سے سلگتا ائربس- بوئنگ کے لئے ریاستی امداد کا تنازعہ بھی ہے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔ Nord Stream 2 پائپ لائن بھی امریکہ اور جرمنی کے درمیان ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے کیونکہ امریکہ مسلسل اصرار کر رہا ہے کہ اس پراجیکٹ کے نتیجے میں روس کا یورپ پر اثر ورسوخ بڑھ جائے گا۔آنے والے مہینوں میں یورپ اور بائیڈن کے درمیان ڈالی گئی محبت کی پینگوں کا کڑا امتحان ہوگا کیونکہ دونوں بلاکس وباء کے بعد اپنی برآمدات بڑھانے کی کوششیں کریں گے۔

130۔ ماضی میں جرمنی یورپ میں استحکام کا ستون رہا ہے، انتشار کے بے لگام سمندر میں ایک مستحکم جزیرہ۔ یورپ کے سب سے اہم ملک میں انجیلا مرکل کو ایک دانشمند قائد کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔لیکن وباء نے نئے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔

131۔ جرمن سرمایہ داروں کو سمجھ آ گئی ہے کہ اگر یورپی یونین کا شیرازہ بکھرنے سے روکنا ہے تو انہیں اپنا طریقۂ واردات تبدیل کرنا پڑے گا۔ وباء کے نمودار ہونے کے بعد اس رجحان کو اور بھی زیادہ تقویت ملی۔ پچھلے موسمِ خزاں میں جرمنی کو یورپی ریکوری فنڈ کے 750 ارب یورو قرض کا بوجھ اٹھانا پڑا تا کہ یورپی یونین کو متحد رکھا جا سکے۔ یہ دیوہیکل پیکج یورپی یونین کو وقتی ریلیف تو دے گا لیکن یہ سبسڈی دوبارہ نہیں ملے گی۔ اس حوالے سے مزید امداد کی درخواستوں کو جرمنی نے سختی سے رد کر دیا ہے۔ حتمی تجزیئے میں کوئی ایک مسئلہ بھی حل نہیں ہو سکا ہے۔

132۔ مرکل کو جرمنی میں جاری لاک ڈاؤن کی مدت کو بڑھانا پڑا۔ اس کی مخلوط حکومت ویکسین کی دستیابی اور ترسیل کی سست روی کے مسائل پر بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے۔ قومی موڈ اپنے آپ کو مبارک باد دینے سے مایوسی میں تبدیل ہو گیا ہے۔ فنانشل ٹائمز نے لکھا کہ ”ستمبر انتخابات سے پہلے سیاسی منظرنامہ منقسم اور غیر مستحکم ہے“۔

133۔فرانس میں میکرون حکومت کی ساکھ برباد ہو چکی ہے اور 60 فیصد افراد اس سے شدید متنفر ہیں۔ یہ اعداد و شمار پیلی جیکٹ تحریک کے بعد سب سے زیادہ گھمبیر ہیں۔ بیروزگاری کی سرکاری شرح 9 فیصد ہے لیکن درحقیقت یہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

134۔''عظیم قومی مباحثے'' سے حکومت کی ساکھ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی وزیرِ اعظم ایڈورڈ فلپ کی قربانی سے عوام کی تشفی ہوئی ہے۔میکرون عالمی سطح پر ''عظیم مدبر'' بننے کی مسلسل کوششیں کرتا رہتا ہے لیکن ہر جگہ اسے حقارت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

برطانیہ

135۔ ماضی قریب میں برطانیہ غالباً یورپ کا سب سے مستحکم ملک تھا۔اب شاید یہ سب سے زیادہ غیر مستحکم ملک بن چکا ہے۔

136۔موجودہ بحران نے سفاکی سے برطانوی سرمایہ داری کی کمزوریاں عیاں کر دی ہیں۔سال 2020ء میں برطانوی معیشت میں 9.9 فیصد گراوٹ آئی یعنی جرمنی سے دوگنا زیادہ اور امریکہ سے تین گنا زیادہ کمی۔اب وباء اور بریگزٹ بحرانات کے نتیجے میں اس میں مزید کمی ناگزیر ہو چکی ہے۔

137۔ بریگزٹ، کنزرویٹیو پارٹی کے پاگل پن کی انتہا تھا اور اب پارٹی خود حکمران طبقے کے کنٹرول سے باہر ہو چکی ہے۔حکومت کا سربراہ سرکس کا ایک مسخرہ ہے جسے دیوانے رجعتی شاؤنسٹ کنٹرول کر رہے ہیں۔

138۔دسمبر 2019ء کے انتخابات میں فیصلہ کن فتح کے باوجود پارٹی کی ساکھ مجروح ہو چکی ہے اور خاص طور پر اس عمل میں کورونا وباء نے کلیدی کردار ادا کیا ہے کیونکہ اس وقت برطانیہ میں یورپ کے کسی بھی ملک کے مقابلے میں سب سے زیادہ اموات ہو چکی ہیں۔اموات کی شرح (ظاہر ہے کہ یہ اعداد و شمار درست نہیں) آبادی کے تناسب سے کسی بھی ملک کے مقابلے میں شاید سب سے زیادہ ہے۔لیکن ٹوری پارٹی کا مسلسل وطیرہ رہا ہے کہ اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھانا

جب تک کہ حالات مجبور نہ کر دیں۔

139۔ان لوگوں کی عوام کی صحت اور زندگیوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ان کو NHS (نیشنل ہیلتھ سروس) سے بھی کوئی دلچسپی نہیں جسے دہائیوں سے فنڈز میں کمی کر کے برباد کے دہانے پر پہنچا دیا گیا ہے۔ان کا ایک ہی مقصد ہے۔۔منافع۔

140۔ٹوریز کی ہر ممکن کوشش ہے کہ پیداوار جاری رہے۔اس لئے وہ سکول دوبارہ کھولنے کے خواہش مند تھے۔اس فیصلے پر جنوری میں ایک عوامی احتجاج ہوا اور 4 لاکھ اساتذہ نے آن لائن میٹنگ کی۔ان کی ہڑتال کی دھمکی پر حکومت کو مجبوراً سکول بند کرنے پڑے۔

141۔لیکن حکومت سے شدید عوامی نفرت کے باوجود لیبر پارٹی اور اس کی دائیں بازو کی قیادت ابھی تک ٹوریز کے پیچھے لڑکھڑا رہی ہے۔لیبر پارٹی کوئی خاص مزاحمت نہیں کر رہی۔

142۔دسمبر 2019ء میں انتخابی شکست کے بعد کوربن اور میکڈونلڈ کے استعفے بائیں بازو کے لئے بہت کاری ضرب تھے جبکہ دائیں بازو کے لئے یہ بہت بڑا تحفہ تھا۔بائیں بازو کے پاس ہر موقع تھا کہ لیبر پارٹی کو تبدیل کر دیا جائے۔انہیں عام ممبران کی مکمل حمایت حاصل تھی۔اس کے لئے پارلیمانی لیبر پارٹی کے دائیں بازو اور بیوروکریسی کی تطہیر لازمی تھی۔لیکن وہ ان فرائض سے پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے مارکس وادیوں کے ممبران پارلیمنٹ کی نامزدگی ختم کرنے کے نعرے کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ اس مطالبے کو پارٹی کے عام ممبران میں وسیع پذیرائی حاصل تھی۔

143۔حتمی تجزیئے میں بایاں بازو جدوجہد کو منطقی انجام تک پہنچانے سے گھبراتا ہے کیونکہ اس کا مطلب دائیں بازو سے مکمل تعلق توڑنا ہے۔ان کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دائیں بازو نے بائیں بازو کی تطہیر کا عمل شروع کر دیا جس میں کوربن کو بھی معطل کر دیا گیا۔یہ کمزوری کوئی اخلاقیات کا سوال نہیں ہے۔یہ ایک سیاسی سوال ہے۔یہ بائیں بازو کی اصلاح پسندی کا نامیاتی کردار ہے۔

144۔اب لیبر پارٹی میں بڑے کاروباری ہی فیصلے کرتے ہیں۔کیئر سٹارمر حزب اختلاف کے

بجائے جانسن کابینہ کے غلام کی طرح باتیں کرتا ہے۔ وہ پہلے جانسن کے بولنے کا انتظار کرتا ہے اور پھر ساتھ ہی ''میں بھی'' کا راگ الاپنا شروع کر دیتا ہے۔

145۔ لیکن اب دایاں بازو حد سے بڑھ چکا ہے۔ اپنے اقدامات سے دایاں بازو، بائیں بازو کو لڑنے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہمارا رجحان اس لڑائی میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ کامریڈز نے لیبر پارٹی کانفرنس بلانے کا مطالبہ کیا جسے سٹارمر اور اس کے ٹولے کی حرکتوں سے تنگ عام ممبران میں بہت پذیرائی ملی۔ بائیں بازو کے قائدین کے پاس نہ تو اپنا کوئی نعرہ ہے اور نہ ہی سوچ، اس لئے انہوں نے بھی چاروناچار اس مطالبے کو اپنا لیا۔

146۔ لیبر پارٹی میں جنگی حالات پک کر تیار ہو چکے ہیں۔ اس عمل میں ہم لیبر پارٹی کے کلیدی بائیں بازو کے رجحانات، خاص طور پر ٹریڈ یونینز کے ساتھ ایک متحدہ فرنٹ میں ہیں۔ یہ انتہائی اہم صورتحال ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے کامریڈز نے بطور واحد سنجیدہ مارکسی رجحان کے اپنی اتھارٹی کو ثابت کیا ہے اور ہمارے نظریات کو بڑی سنجیدگی سے دیکھا جا رہا ہے۔

147۔ لیکن ہمارا رویہ حقیقت پسندانہ ہونا چاہیے۔ کسی بھی متحدہ فرنٹ میں ایک نظر دشمن پر اور دوسری ساتھ چلتے اتحادی پر ہونی چاہیے جو کسی بھی موڑ پر دھوکہ دے سکتا ہے۔

148۔ جو کچھ بھی ہو مارکسی رجحان آگے بڑھے گا اور ہمارے لئے کئی نئے مواقع کھلیں گے۔ سیاست کا فن ہی یہ ہے کہ ہر ممکن موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ ہم اس موقع سے جتنا فائدہ اٹھا سکے، اٹھائیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ ہمیں کئی کامیابیاں ملیں گی۔

اٹلی

149۔ اٹلی مسلسل یورپی سرمایہ داری کی سب سے کمزور کڑی ثابت ہو رہا ہے۔ موجودہ بحران نے اس کی دائمی کمزوری عیاں کر دی ہے۔ جرمنی جیسی زیادہ طاقتور معیشتوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ملک پیچھے رہ گیا ہے اور مسلسل قرضوں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔

150۔ اٹلی کا بینکاری نظام انہدام کے دہانے پر کھڑا ہے اور یہ کسی بھی لمحے پورے یورپ کو اپنے

ساتھ لے ڈوبے گا۔اسی وجہ سے یورپی یونین اس کو کوسنے کے باوجود سہارا دینے پر مجبور ہے۔

151۔جرمن بینکار خاص طور پر بے صبرے ہو رہے ہیں اور ماضی قریب تک سنجیدہ اقدامات کے ذریعے حکومتی اخراجات کو کم کرنے اور معیارِ زندگی پر حملے کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔یعنی وہ اٹلی کو گہری کھائی میں دھکیل رہے تھے۔فی الحال ان کا لہجہ دھیما ہے کیونکہ وباء نے سب کو ریاست سے مدد مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ایک مرتبہ وباء کا خطرہ ٹل جائے پھر یہ اٹلی پر خونخوار بھیڑیوں کی مانند چڑھ دوڑیں گے۔

152۔موجودہ بحران سے نمٹنے کے لئے اطالوی حکمران طبقے کو ایک مضبوط حکومت چاہیے۔لیکن اٹلی میں اب کوئی مضبوط حکومت نہیں بن سکتی۔ ریاست اپنی بنیادوں تک گل سڑ چکی ہے۔ سیاستدانوں پر بداعتمادی کا اظہار حکومت کے دائمی بحران میں ہو رہا ہے۔ یکے بعد دیگرے غیر مستحکم مخلوط حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی ہیں لیکن بنیادی مسائل میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی حل نہیں ہوتا۔ عوام کا ہیجان بڑھتا جا رہا ہے اور وہ بحران سے باہر نکلنے کی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف جھکاؤ بن رہا ہے۔

153۔وباء نے بحران کو اور بھی گھمبیر کر دیا ہے۔وباء نے یورپ میں سب سے پہلے اور سب سے خوفناک حملہ اٹلی پر کیا تھا۔تادمِ تحریر اٹلی میں وباء کی وجہ سے کل اموات 1 لاکھ تک پہنچ چکی ہیں۔

154۔حکمران طبقے کی پوری کوشش تھی کہ سینٹر-لیفٹ مخلوط حکومت کو جب تک ممکن ہو قائم رکھا جائے تاکہ سماجی دھماکے سے بچے رہیں۔لیکن ایک وقت آنے پر یہ ناممکن ہو گیا کیونکہ یکے بعد دیگرے تمام سیاسی آپشن ختم ہو رہے تھے۔شدید دباؤ میں رینزی کی پارٹی Italia Viva نے وباء کے حوالے سے اقدامات کی ناکامی پر کونتی مخلوط حکومت سے اپنے تین وزراء کو باہر نکال لیا جس کے بعد حکومت گر گئی اور دراغی حکومت کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

155۔جمہوریہ کے صدر نے مداخلت کی اور نئے انتخابات منعقد کرانے کے بجائے اس نے یورپی مرکزی بینک کے سابق گورنر ماریو دراغی کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ یہاں ایک اور مثال ہے کہ کس طرح ایک ''ٹیکنوکریٹ''، جسے کسی نے منتخب نہیں کیا، اسے وزیراعظم بنا کر عوام پر مسلط کر

دیا گیا ہے۔

156۔ سینٹر-لیفٹ مخلوط حکومت کے دیوالیہ پن نے 'برادرز آف اٹلی' جیسی انتہائی دائیں بازو کی پارٹیوں کو منظّم ہونے کا موقع فراہم کیا۔ وہ اس لئے دراغی کی حمایت کرنے والی مخلوط حکومت سے باہر ہیں کیونکہ ایک تو ان کی فی الحال ضرورت نہیں اور دوسرا اس لئے کہ وہ دائیں بازو کی سیاست میں لیگا کی قیمت پر آگے بڑھنے کے خواہش مند ہیں جو اس وقت حکومت کا حصہ ہے۔

157۔ لیکن جلد یا بدیر پارلیمانی کھلواڑ کی جگہ طبقات کے درمیان کھلی جنگ لے لے گی۔ موجودہ نظام کی بنیاد پر کوئی استحکام ممکن نہیں ہے۔ اٹلی میں محنت کشوں کی کوئی عوامی پارٹی نہیں ہے۔ لیکن ہر روز عوام کے غم و غصے میں اضافہ ہو رہا ہے اور ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔ وباء کے پہلے مہینے میں محنت کشوں کی لڑاکا تحریکیں واضح کر رہی ہیں کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔

158۔ حکومتوں کی مسلسل ناکامیوں کا ناگزیر نتیجہ طبقاتی لڑائی میں شدت کی صورت نکلے گا۔ حتمی طور پر مسائل پارلیمنٹ میں حل نہیں ہوں گے اور وہ دن قریب آ رہا ہے جب سیاست کا میدان بے ساکھ پارلیمنٹ کے بجائے فیکٹریاں اور سڑکیں ہوں گی۔

روس

159۔ ہر جگہ وہی ہیجان ہے، وہی انتشار ہے۔ روس میں الیکسی نوالنی کی واپسی اور گرفتاری پر پورے ملک میں عوامی تحریک پھٹ پڑی۔ ماسکو میں 40 ہزار، سینٹ پیٹرزبرگ میں 10 ہزار اور ولادی واستوک اور خاباروسک سمیت 110 شہروں میں لوگوں نے احتجاج کئے۔

160۔ یہ احتجاج بیلاروس میں ہونے والے احتجاجوں کی طرح کوئی دیوہیکل احتجاج نہیں تھے جب لاکھوں لوگ لوکاشینکو کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ لیکن اگر روس کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ بڑے احتجاج ہیں۔ ان کی ساخت بہت مخلوط تھی جس میں متوسط طبقے، دانشور، لبرلز وغیرہ سمیت کچھ محنت کش اور خاص طور پر نوجوان محنت کش شامل تھے۔

161۔ پولیس نے جواب میں شدید جبر کیا۔ کئی شہروں میں لڑائیاں ہوئیں۔ عوام نے رکاوٹیں توڑ

دیں، گرفتار لوگوں کو آزاد کروایا، پولیس پر برف کے گولے برسا کر انہیں پسپاء ہونے پر مجبور کر دیا اور 40 پولیس اہلکار زخمی ہو گئے۔ اس دوران ہزاروں افراد کو گرفتار کیا گیا۔

162۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ کچھ احتجاج تو نوالنی کی گرفتاری پر ہوئے۔ لیکن نوالنی صرف ایک جزو ہے اور شاید سب سے اہم بھی نہیں ہے۔

163۔ ایلکسی نوالنی کو مغربی میڈیا میں جمہوریت کے دفاع میں لڑنے والے ایک ہیرو کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ ایک پرعزم موقع پرست ہے جس کا سیاسی ماضی مشکوک ہے۔ بادی النظر میں اسے ایک حادثاتی کردار کے طور پر دیکھا جائے گا۔

164۔ لیکن تاریخ کے مخصوص فیصلہ کن لمحات میں حادثاتی کردار بھی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ جیسے کیمیا میں ایک مخصوص عمل کے لئے ایک عمل انگیز کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح انقلابی عمل میں ایک ریفرنس درکار ہوتا ہے جو ایک ڈیٹونیٹر کا کردار ادا کرتے ہوئے مجتمع شدہ عوامی ہیجان کو پھاڑنے کا کام سرانجام دیتا ہے۔ یہ عمل انگیز کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورتحال میں نوالنی کی گرفتاری نے یہ کام کیا۔ لیکن کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی تھی۔

گرتا معیارِ زندگی

165۔ اہم چیز وہ حادثہ نہیں ہے جس کے ذریعے ضرورت اپنا اظہار کرتی ہے بلکہ اہم چیز خود ضرورت ہے۔ تحریک کی حقیقی وجہ عوام کا گرتا معیارِ زندگی، معاشی بحران اور ایک کرپٹ اور جابر ریاست کا کردار ہے۔

166۔ تمام اشاریے بتا رہے ہیں کی پیوٹن کی حمایت ختم ہو رہی ہے۔ ایک وقت تھا جب تمام رائے شماریوں میں اس کی مقبولیت 70 فیصد سے زیادہ ہوتی تھی۔ کریمیا پر قبضہ کرنے کے وقت اس کی مقبولیت 80 فیصد سے زیادہ تھی۔ لیکن اس وقت یہ 63 فیصد ہے اور سب سے کم یہ 50 فیصد تھی۔ یہ اعداد و شمار کریملن کو بہت پریشان کر رہے ہوں گے۔

167۔ ماضی میں پیوٹن معاشی میدان میں حاصلات کے حوالے سے ڈینگیں مار سکتا تھا لیکن اب

ایسا ممکن نہیں۔ وباء سے پہلے 18-2013ء کے دوران سالانہ شرحِ نمو 0.7 فیصد تھی یعنی بنیادی طور پر منجمد تھی۔ سال 2020ء کے آخر میں شرحِ نمو منفی 5 فیصد تھی۔ بیروزگاری کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے اور کئی خاندان اپنے گھروں سے محروم ہو رہے ہیں۔

168۔ ایک وقت تک، خاص طور پر کریمیا پر قبضے کے بعد جہاں روسیوں کی اکثریت ہے، پیوٹن قوم پرستی کا کارڈ کھیلتا رہا۔ اس وجہ سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا لیکن شاؤنزم کا بخار اب اتر چکا ہے اور پنشن اصلاحات کی وجہ سے پیوٹن کی ساکھ پر کاری ضرب پڑی ہے۔

169۔ حکمران اشرافیہ کی دیوہیکل کرپشن اور پرتعیش زندگی کے خلاف نفرت مسلسل بڑھ رہی ہے۔ گرفتار ہونے کے دو دن بعد نوالنی نے ایک ویڈیو جاری کی جسے کروڑوں لوگ دیکھ چکے ہیں۔ اس ویڈیو میں پیوٹن کی ذاتی کرپشن دکھائی گئی ہے جس میں بحیرۂ اسود کے ساحل پر ایک بہت بڑا محل بھی شامل ہے۔ اس وجہ سے عوامی غصہ نا قابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔

170۔ ریاست کی حمایت مسلسل ختم ہو رہی ہے۔ کریملن کے باہر مٹھی بھر امراء، جو بدنامی کی حد تک کرپٹ ہیں، جس میں زیادہ تر ریاستی اہلکار ہیں جن کی نوکریوں اور کیریئر کا دارومدار ان کے آقا پر ہے، ایک بڑی تعداد ان چاپلوسوں کی ہے جن کا ریاستی ٹھیکوں اور کاروباری تعلقات کے لئے کریملن پر انحصار ہے۔

171۔ لیکن پیوٹن کا سب سے زیادہ انحصار سیکورٹی نظام اور فوج پر ہے۔ پیوٹن حکومت ایک بورژوا بوناپارٹسٹ حکومت ہے۔ حتمی تجزیئے میں بوناپارٹ ازم میں اقتدار تلوار کا مرہون منت ہوتا ہے۔ پیوٹن ایک ''مردِ آہن'' ہے جو ریاست کی چوٹی پر کھڑا ہے اور مختلف طبقات کے درمیان توازن بنا کر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو روسی قوم کا دیوتا بنا کر پیش کرتا ہے۔

172۔ لیکن اس مردِ آہن کے پیر مٹی کے ہیں۔ وہ اپنی حمایت مسلسل کھو رہا ہے اور نتیجتاً اسے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے دھوکے بازی، ووٹ چوری اور ننگے جبر کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔

173۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیلے رانڈ نے ایک مرتبہ نپولین کو کہا تھا کہ سنگینوں کے ساتھ بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر بیٹھا نہیں جا سکتا۔ پیوٹن کو اس دانا مشورے پر کان دھرنے چاہئیں۔ سیاسی

مخالفین کی گرفتاری، قید اور انہیں زہر دینا طاقت نہیں بلکہ خوف اور کمزوری کی نشانی ہے۔

174۔اس کے علاوہ خوف ایک ایسا ہتھیار ہے جسے ایک وقت تک تو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔جلد یا بدیر لوگوں کا خوف ختم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ لمحہ ایک آمرانہ ریاست کے لئے بہت خطرناک ہے۔حالیہ احتجاج اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ یہ عمل شروع ہو چکا ہے۔

175۔درحقیقت یہ ریاست اس وجہ سے ابھی تک قائم ہے کیونکہ عوام وقتی جمود کا شکار ہیں۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ موجودہ غیر مستحکم توازن کب تک برقرار رہے گا۔فی الحال خوفناک جبر نے احتجاج ختم کر دیئے ہیں لیکن کوئی ایک بنیادی مسئلہ بھی حل نہیں ہو سکا ہے۔

176۔حالیہ احتجاجوں نے ریاست کو خوفزدہ کر دیا ہے جواب جبر اور مراعات دونوں استعمال کر رہی ہے۔غریب ترین خاندانوں کی امداد کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے۔اس سے ریاست کو شاید کچھ وقت مل جائے۔لیکن عالمی منڈی میں تیل کی کم قیمت روسی معیشت کو برباد کرتی رہے گی اور امریکی پابندیاں برقرار رہیں گی یا شاید اور سخت کر دی جائیں۔ بائیڈن حکومت ٹرمپ سے بھی زیادہ جابر ثابت ہو گی۔

’’کمیونسٹ‘‘ پارٹی

177۔روس میں موضوعی عنصر کا کردار سب سے زیادہ واضح ہے۔اگر CPRF (کمیونسٹ پارٹی آف رشین فیڈریشن) ایک حقیقی کمیونسٹ پارٹی ہوتی تو اس وقت وہ اقتدار پر قبضے کی تیاری کر رہی ہوتی۔لیکن زائگانوف اور دیگر کو اقتدار پر قبضے کا کوئی شوق نہیں۔ پیوٹن کے ساتھ ان کے معاملات معقول ہیں اور وہ اپنی مراعات کے مزے لوٹتے رہیں گے اور پیوٹن کو تنگ نہیں کریں گے۔

178۔CPRF قائدین کی حرکتوں نے پارٹی کے عام ممبران میں بہت زیادہ ہیجان برپا کر دیا ہے۔کئی مقامی اور علاقائی بغاوتیں ہو چکی ہیں جنہیں تطہیر اور بے دخلی سے کنٹرول کیا گیا ہے۔اس طرح پوری علاقائی تنظیمیں برباد کر دی گئی ہیں۔

179۔ یہ بھی معنی خیز ہے کہ کمیونسٹ پارٹی میں مخالفین پر لگایا جانے والا سب سے زیادہ الزام ''نیو ٹراٹسکی ازم'' کا ہے۔ ظاہر ہے کہ مخالفین کا ٹراٹسکی ازم سے کوئی تعلق نہیں اور اکثر اوقات یہ لڑائیاں پارٹی بیوروکریسی میں طاقت کے لئے ہوتی ہیں۔

180۔ لیکن اس الزام سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ زائگانوف پارٹی میں ایک ٹراٹسکائیٹ رجحان کے پنپنے سے کتنا خوفزدہ ہے۔ مستقبل میں بحران کے شدید ہونے کے ساتھ CPRF میں حزب اختلاف بھی مضبوط ہوگا اور اس کے ساتھ پارٹی میں حقیقی مارکسزم کی جڑیں بھی مضبوط ہوں گی۔

181۔ موجودہ غیر مستحکم عارضی صلح کئی مہینے یا کئی سالوں تک جاری رہ سکتی ہے۔ لیکن تاخیر کا مطلب یہی ہے کہ تضادات مسلسل بڑھیں گے اور مستقبل میں زیادہ بڑے دھماکوں کی راہ ہموار ہو گی۔ اس ساری صورتحال میں سب سے فیصلہ کن کردار روسی محنت کش طبقے کا ہے جو ابھی تک خاموش ہے۔

182۔ روس میں واقعات کے رونما ہونے کے حوالے سے پیش گوئی کرنا بڑا مشکل ہے۔ روس ابھی تک قبل از انقلابی کیفیت میں نہیں ہے لیکن واقعات تیزی سے رونما ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اس ملک میں واقعات اور مارکسیوں کی بڑھوتری کو بہت دلچسپی سے دیکھتے رہنا ہوگا۔

انڈیا

183۔ ہندوستان میں ہونے والے واقعات کو کسان بغاوت کا نام دیا جائے تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ کسانوں نے دہلی میں 26 جنوری کی ریپبلک ڈے پریڈ کو اپنے ٹریکٹر مارچ کے ذریعے درہم برہم کر دیا اور مودی کے جشن کو برباد کر کے رکھ دیا۔

184۔ ان واقعات کو ہمیں سرمایہ داری کے عالمی بحران سے جوڑ کر دیکھنا چاہیے۔ زراعت کے شعبے میں خونخوار مسابقت کی وجہ سے اشیائے خوردونوش کی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں چھوٹے اور درمیانے کسانوں کو ان کی اجناس کے بدلے میں ملنے والی قیمتوں کو مسلسل کم کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں۔

185۔ ہندوستان کے زرعی شعبے کو عالمی منڈی کے لئے کھولنے کی یہ کوششیں کوئی نئی نہیں ہیں۔ یہ کام سالوں سے جاری ہے، جیسے ہم نے منموہن سنگھ کی حکومت میں دیکھا۔ دیوہیکل مالیاتی سرمایہ ہندوستانی زراعت کے شعبے میں داخل ہوا ہے جس سے کسان زیادہ سے زیادہ قرضے لینے پر مجبور ہوئے ہیں تا کہ زرعی پیداوار کے لئے درکار اشیاء خرید سکیں جن کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔

186۔ جیسے ہی نئے قوانین متعارف ہوئے کسانوں کو ادا کی جانے والی قیمتوں میں 50 فیصد کمی ہوئی جبکہ اشیائے خورد ونوش کی پرچون قیمت بڑھ گئی۔ یہ وہ ناقابل برداشت صورتحال ہے جس نے ہندوستانی کسانوں کی اس بڑی تحریک کو جنم دیا۔ ان کا مطالبہ ہے کہ نئے قوانین منسوخ کئے جائیں۔ لیکن ان کا کوئی مطالبہ پورا نہیں کیا گیا اور مذاکرات میں ان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔

187۔ اگست 2020ء میں مودی کے زرعی قوانین منظر عام پر آنے کے بعد پنجاب میں کسانوں کے چھوٹے چھوٹے احتجاج شروع ہوئے اور یہ بڑھتے بڑھتے دوسری ریاستوں میں بھی پھیل گئے۔ ستمبر 2020ء میں پورے ہندوستان میں کسان یونینز نے بھارت بندھ (قومی سطح پر ہڑتال) کی کال دی۔ تحریک آگے بڑھتی گئی کیونکہ حکومت کے ساتھ لامتناہی مذاکرات کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔ دسمبر 2020ء میں 50 لاکھ کسانوں نے 20 ہزار مقامات پر احتجاج کیا۔

188۔ اس تحریک میں 26 جنوری کو ایک ڈرامائی موڑ آیا جب لاکھوں کسان اپنے مطالبات کے حق میں احتجاج کرتے ہوئے دہلی میں گھس گئے۔ کسان شہر کے مضافات سے بزورطاقت تاریخی لال قلعے تک جا پہنچے۔ انہوں نے بے پناہ بہادری کا مظاہرہ کیا، کیل کانٹوں سے لیس پولیس کا مقابلہ کیا اور ہنٹروں، لاتوں اور گھونسوں کو برداشت کیا۔

189۔ شدید پولیس تشدد کے باوجود کسان لال قلعے میں گھس گئے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ پولیس نے سرتوڑ کوشش کے بعد ہی انہیں باہر نکالا۔ ایک احتجاجی کسان مارا گیا اور 300 سے زیادہ پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔ اس سے کسان اور بھی زیادہ مشتعل ہو گئے اور دیگر ریاستوں سے زیادہ سے زیادہ کسان یکجہتی کے لئے تحریک میں شامل ہو گئے۔

190۔اس جدوجہد کا حجم سماج میں پکنے والے لاوے کا اظہار ہے جہاں دیہات کی سب سے زیادہ قدامت پسند سمجھی جانے والی پرتیں بھی متحرک ہو رہی ہیں اور معاشی بحران کے جبر میں ریڈیکلائز ہو رہی ہیں۔

191۔زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب مودی نے اپنے پہلے انتخابات جیتے تھے اور بائیں بازو اور سابقہ بائیں بازو کے مایوس لوگ ہندوستان میں ''فسطائیت'' کے ابھار کا رونا رو رہے تھے۔لیکن ہمارے رجحان نے درست طور پر وضاحت کی تھی کہ وزارت عظمیٰ سنبھالنے کے بعد مودی وہ حالات پیدا کر دے گا جن کی مخالفت میں سماج سے دیوہیکل ردعمل آئے گا۔ ہمارا تناظر ان شاندار واقعات کی روشنی میں درست ثابت ہوا ہے۔فسطائیت کے برعکس شدید طبقاتی پولرائزیشن اور طبقاتی جدوجہد جاری ہے۔

سٹالنسٹوں کا کردار

192۔کسان بغاوت کی شدت سے مودی لرز کر رہ گیا ہے کیونکہ یہ بغاوت سماج میں موجود غم و غصے کی کسی قدر غمازی کرتی ہے۔لیکن انڈیا میں تحریک کی کمزوری ٹریڈ یونین قیادتیں ہیں جو کسانوں کی حمایت میں انڈیا کے طاقتور محنت کش طبقے کو متحرک کرنے میں ناکام رہی ہیں یا یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ وہ ایسا کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتیں۔

193۔حالانکہ پچھلے کئی سالوں سے ہندوستانی محنت کش طبقے کی دیوہیکل تحریکیں چل رہی ہیں جن میں کئی ایک روزہ کی عام ہڑتالیں بھی شامل ہیں۔ان میں 20 کروڑ تک محنت کشوں نے حصہ لیا ہے اور یہ عالمی مزدور تاریخ کی سب سے بڑی عام ہڑتالیں ہیں۔

194۔ستمبر 2016ء میں تقریباً 18-15 کروڑ محنت کشوں نے ایک 24 گھنٹے کی عام ہڑتال منظم کی۔سال 2019ء میں تقریباً 22 کروڑ محنت کشوں نے ایک عام ہڑتال کی اور جنوری 2020ء میں 25 کروڑ محنت کشوں نے ایک روزہ عام ہڑتال میں حصہ لیا۔

195۔ان اعداد و شمار سے ہندوستانی محنت کشوں کے دیوہیکل انقلابی پوٹینشل کا اندازہ ہوتا ہے۔

محنت کش لڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن سٹالنسٹ پالیسی مودی سے فیصلہ کن جنگ کے برعکس عوامی تحریکوں کا سہارا لے کر اپنے لئے مراعات حاصل کرنا ہے۔

196۔ عملی طور پر ایک روزہ عام ہڑتالوں کے ذریعے محنت کشوں کا غم وغصہ زائل کر کے اسے بے ضرر راستوں پر گمراہ کر دیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ کار یونان میں ٹریڈ یونین قائدین نے سلسلہ وار ایک روزہ عام ہڑتالوں کے ذریعے اپنایا۔ یہ محنت کشوں کو تھکانے کی گھناؤنی سازش ہے جس میں عام ہڑتال کو ایک کاغذی شیر بنا دیا جاتا ہے۔ ایک طرف اس کے فیصلہ کن اقدام ہونے کا تاثر دیا جاتا ہے اور دوسری طرف عمل میں اسے بے ضرر بنا دیا جاتا ہے۔

عام ہڑتال کا نعرہ

197۔ اگر معروضی حوالے سے بات کی جائے تو انڈیا میں ایک غیر معینہ مدت کی عام ہڑتال کے لئے حالات پک کر تیار ہو چکے ہیں۔ کمیونسٹ پارٹیاں اور ٹریڈ یونین قیادتیں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہیں لیکن وہ لیت ولعل سے کام لے رہے ہیں۔ وہ ایک جھٹکے میں مودی حکومت گرا کر اس کی ساری رجعتی پالیسیوں کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ صرف علامتی باتوں اور اعمال پر اکتفا کرتے ہوئے سنجیدہ تحرک کو ملتوی کر رہے ہیں۔

198۔ اس وجہ سے ہندوستان میں تیزی کے ساتھ مارکسی قوتوں کو تعمیر کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ لیکن ہمیں توازن کا خیال رکھنا چاہیے۔ انڈیا میں ہماری تنظیم ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں ہے۔ اثر انداز ہونے کی صلاحیت کے حوالے سے خوش فہمی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

199۔ ہمارا کام تحریک کی قیادت کرنا یا عوام کو جیتنا نہیں ہے بلکہ صبر کے ساتھ ان بہترین انقلابی عناصر کو جیتنا ہے جو اپنی قیادت کی مسلسل دھوکے بازیوں اور تذبذب سے تنگ آ چکے ہیں۔

200۔ ہمیں صورتحال کی مناسبت سے بروقت عبوری نعرے پیش کرنے ہوں گے جو قائدین کے غلیظ کردار کو ننگا کرتے ہوئے تحریک کو آگے بڑھنے میں رہنمائی فراہم کریں۔

201۔ کسان جدوجہد کو فیکٹریوں میں حمایت حاصل ہے۔ نیچے سے پڑنے والے شدید دباؤ کے

تحت ٹریڈ یونین قائدین اب چار روزہ عام ہڑتال کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہم اس کی حمایت کرتے ہیں لیکن صرف بیان بازی کی نہیں عمل کی ضرورت ہے!

202۔ ہمیں کہنا چاہیے کہ ہاں! ٹھیک ہے۔ چار روزہ عام ہڑتال ہونی چاہیے۔ لیکن باتیں کم اور عمل زیادہ! بتائیں کس دن آغاز کرنا ہے! فیکٹریوں میں کیمپیین شروع کرو۔ عوام کے احتجاجی اکٹھ کرو، ہڑتالی کمیٹیاں بناؤ۔ کسانوں، خواتین، نوجوانوں، بیروزگاروں اور سماج کی پسی ہوئی پرتوں کو شامل کرو۔ اور عوامی جدوجہد کے ان اداروں کو شہری، علاقائی اور قومی سطح پر منظّم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑو۔ دوسرے الفاظ میں سوویتوں کو منظّم کرو تا کہ اقتدار محنت کشوں اور کسانوں کو منتقل ہو سکے۔

203۔ ایک مرتبہ ہندوستانی عوام اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے منظّم ہو گئی تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ ایک چار روزہ عام ہڑتال جلد ہی غیر معینہ مدت کی عام ہڑتال میں تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن پھر یہاں طاقت کا سوال جنم لے گا۔

204۔ یہ وہ تناظر ہے جس کی ہم نے صبر کے ساتھ ہندوستانی محنت کشوں اور کسانوں کو وضاحت کرنی ہے۔ اس حکمت عملی کے ذریعے، اگرچہ ہم ابھی تعداد میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، ہمارا پیغام انقلابی راہ کے متلاشی سب سے زیادہ شعور یافتہ محنت کشوں اور نوجوانوں تک پہنچے گا۔

205۔ ہمارا فرض معقول تعداد میں انقلابی کیڈرز کو جیتنا اور تربیت دینا ہے تا کہ ہم مستقبل میں فیصلہ کن لمحات میں بھرپور مداخلت کر سکیں۔

میانمار

206۔ میانمار میں ہونے والے فوجی کُو نے ثابت کر دیا ہے کہ ہم ''تند و تیز اور اچانک تبدیلیوں'' کے دور سے گزر رہے ہیں۔ فوجی کُو نے کئی لوگوں کو ششدر کر کے رکھ دیا۔ فوج نے ایک ایسا آئین بنایا ہوا تھا جس کے ذریعے انہیں پارلیمنٹ میں 25 فیصد سیٹیں اور کلیدی وزارتیں ملی ہوئی

تھیں۔ ایک ایسی شق بھی شامل تھی جس کے مطابق فوج کسی بھی ''ایمرجنسی'' میں انتظامی امور کو اپنے کنٹرول میں لے سکتی ہے۔

207۔ لیکن اس وقت کیا ایمرجنسی تھی؟ فوج نے ایک جھوٹی ایمرجنسی گھڑلی کہ نومبر 2020ء میں ہونے والے انتخابات میں آنگ سان سوچی اور نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی کی دیوہیکل فتح کے پیچھے وسیع پیمانے پر دھاندلی ہے۔

208۔ کُو کی اصل کہانی یہ ہے کہ سال 1988ء میں شروع ہونے والے نجکاری پروگرام میں لوٹ مار کون کرے گا۔ جب سے نجکاری شروع ہوئی ہے اس وقت سے فوجی افسران کوڑیوں کے مول ریاستی پراپرٹیاں ہڑپ کررہے ہیں۔ دوسری طرف سامراجی اور خاص طور پر امریکہ، میانمار پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ عالمی اجارہ داریوں کے لئے مقامی منڈی کو کھولا جائے۔

209۔ سامراجیوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میانمار میں سب سے بااثر بیرونی قوت چین ہے۔ میانمار کی برآمدات اور درآمدات کا سب سے بڑا حصہ چین کے ساتھ منسلک ہے۔ اس لئے میانمار میں درحقیقت چین اور امریکہ کے درمیان اثرورسوخ کی جنگ چل رہی ہے جس میں آنگ سان سوچی موخرالذکر کی کارندہ ہے۔

210۔ فوجی سربراہان اپنے آپ کو سرمایہ دار اشرافیہ میں بدل رہے ہیں اور NLD کی دیوہیکل فتح ان کے عزائم کے لئے بہت بڑا خطرہ تھی۔ عوام فوج سے نفرت کرتی ہے اور افسران کی پرت خوفزدہ تھی کہ اتنی دیوہیکل سماجی حمایت کے بل بوتے پر نئی حکومت ان کی طاقت اور مراعات کو لگام دینے کی کوشش کرسکتی ہے۔

211۔ فوج انتخابات کے بعد بڑھتے عوامی اعتماد سے بھی خوفزدہ تھی۔ انہیں طویل عرصے سے آہنی گرفت کے ذریعے ملک پر حکومت کرنے کی عادت پڑی ہوئی ہے اور ان کا خیال تھا کہ وہ اس مرتبہ بھی مداخلت کرکے حکم صادر کرسکتے ہیں کہ ملک کس سمت میں جائے گا۔ لیکن وہ اندازہ ہی نہیں لگا سکے کہ فوجی حکومت کے خلاف عوام میں کتنی نفرت بھری ہوئی ہے۔ عوام ابھی تک بھولی نہیں کہ فوجی آمریت میں کیا حالات تھے اور وہ فوجی افسران کو بجا طور پر انتہائی کرپٹ اور حریص سمجھتے

ہیں۔

212۔ یہ اس عمل کی مثال ہے جسے مارکس ’’ردِ انقلاب کے کوڑے‘‘ کا نام دیتا تھا۔ گو عوام کو خوفزدہ اور مفلوج کرنے کے بجائے ان کو سڑکوں پر لے آیا ہے۔ اس لئے میانمار کا تناظر مفلوج اور مایوسی کے برعکس شدید طبقاتی لڑائی ہے۔

چین

213۔ ماضی میں عالمی سرمایہ داری کو درپیش مسائل کے حل کے حوالے سے چین کی جانب دیکھا جاتا تھا لیکن اب چین خود مسئلے کا حصہ بن چکا ہے۔

214۔ چین واحد کلیدی معاشی قوت ہے جس نے سال 2020ء میں معاشی بڑھوتری دیکھی۔ چینی ریاست نے فیصلہ کن انداز میں وباء اور معاشی بحران سے نمٹنے کے لئے مداخلت کی۔ سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے یہ درست تھا لیکن اس کی قیمت بہت بھاری تھی۔ سال 2008ء کے بعد سے چین کا کل قرضہ راکٹ کی طرح اوپر جا رہا ہے جس میں وبا کے دوران 30 فیصد اضافہ ہوا اور جی ڈی پی کے 285 فیصد تک پہنچ چکا ہے۔ قرضوں کے معاملے میں چین نے دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

215۔ ورلڈ بینک کی پیش گوئی کے مطابق اس سال معاشی شرحِ نمو 8 فیصد ہوگی۔ اگر یہ درست ہے تو پھر چین کی پرفارمنس پوری دنیا میں سب سے بہتر رہے گی۔ لیکن یہی کامیابی بربادی کی راہ بھی ہموار کرے گی کیونکہ اس شرحِ نمو کا ایک بڑا حصہ برآمدات پر مشتمل ہے۔ بیرونی تجارت میں چین ایک دیوہیکل سرپلس رکھتا ہے لیکن آج چین کی معیشت کا عالمی معیشت پر انحصار بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

216۔ یہ صورتحال نئے تضادات کو جنم دے رہی ہے جو نا صرف چین بلکہ پوری دنیا کے استحکام کے لیے خطرہ بن رہے ہیں۔ چین جارحانہ انداز میں عالمی منڈی میں مداخلت کر رہا ہے اور باقی دنیا میں بحران کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید جارحانہ انداز میں مداخلت کو جاری رکھے گا۔ اس کا

مطلب امریکہ اور چین میں ناگزیر ٹکراؤ ہے کیونکہ امریکہ، چین کو اپنی معیشت اور عالمی کردار کے حوالے سے سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے۔

217۔ یہ کوئی حادثہ نہیں ہے کہ ٹرمپ حکومت آخری دنوں میں چین کے حوالے سے ''سب جلا دو'' کی پالیسی پر عمل پیرا تھی اور اس حوالے سے بائیڈن حکومت کی پالیسی بھی مختلف نہیں ہو گی۔ ریپبلیکنز اور ڈیموکریٹس دونوں عالمی سٹیج پر چین کو بنیادی خطرہ سمجھتے ہیں۔

218۔ امریکہ اور چین کے درمیان تنازعہ تجارتی جنگ کی شدت میں مزید اضافے کا باعث بنے گا۔ یہ عالمی سرمایہ داری کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے کیونکہ یہ عالمی تجارت میں بڑھوتری تھی (نام نہاد عالمگیریت) جس نے پچھلے دور میں سرمایہ داری کو آکسیجن فراہم کی تھی۔

219۔ اس کے چین کے اندر بھی دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ ایک معاشی بحران سماجی استحکام کے لئے سنگین خطرہ ہے۔ فیکٹریاں بند ہو رہی ہیں اور بیروزگاری بڑھ رہی ہے۔ یہ معاملات چھپائے جا رہے ہیں لیکن بہر حال یہ موجود ہیں۔ نجی کمپنیوں نے اپنے مسائل کا بوجھ جبری برطرفیوں اور اجرتوں میں کمی کے ذریعے محنت کشوں کے سر پر ڈال دیا ہے۔ اجرتوں کی ادئیگی کئی کئی مہینوں کی تاخیر کا شکار ہیں اور نتیجتاً خوفناک غصہ اور اضطراب پنپ رہا ہے۔

220۔ حکمران اشرافیہ معاشی بحران اور بڑھتی بیروزگاری کے نتیجے میں سماجی دھماکوں سے شدید خوفزدہ ہے۔ اسی وجہ سے شی جن پنگ نے ہانگ کانگ میں تحریک کو کچلنے کے لئے خوفناک جبر کیا ہے۔ یہ طاقت کا نہیں بلکہ خوف اور کمزوری کا اظہار ہے۔ چینی حکمران طبقہ خوفزدہ ہے کہ اس طرح کی تحریک چین میں بھی آگ لگا دے گی۔ یہ چاہے جو مرضی کر لیں مستقبل میں ایسا ہی ہو گا۔

221۔ اب تک ریاست پورے چین میں پنپنے والے غم و غصے کو قابو میں رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ لیکن یہ آتش فشاں کبھی بھی پھٹ سکتا ہے اور جب یہ ہو گا تو ہانگ کانگ کی طرح اسے کچلنا ناممکن ہو گا۔ ہانگ کانگ میں بھی ریاست ایک لمحے کے لئے کنٹرول کھو چکی تھی۔ لیکن چین میں ایک سو یا ایک ہزار ہانگ کانگ سنبھالنا تو دور کی بات ہے ان کے آگے کھڑے ہونا ہی ناممکن ہو گا۔

222۔چین میں حالات عظیم واقعات کے لیے پک کر تیار ہو رہے ہیں۔اور ایسا اس وقت ہوگا جب کسی کو بھی اس کی توقع نہیں ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ چینی حکومت ایک مطلق العنان حکومت ہے اور یہاں ہونے والے اکثر واقعات منظر عام سے اوجھل رہتے ہیں۔

طاقتوں کا تبدیل شدہ توازن

223۔1930ء کی دہائی میں امریکہ کو عظیم کساد بازاری سے روزویلٹ کی 'نیو ڈیل' نے نہیں بلکہ دوسری عالمی جنگ نے نکالا تھا مگر آج ایسا ہونا ممکن نہیں۔دیگر طاقتوں کے مقابلے میں امریکی سامراج کمزور ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ اس کی فوجی مداخلت کی اہلیت بھی کمزور پڑ چکی ہے۔

224۔نئی منڈیوں تک رسائی اور خام مال کے حصول کی اشد ضرورت چین کو عالمی منڈی میں مزید جارحانہ طرزِ عمل اپنانے پر مجبور کر رہی ہے۔مثال کے طور پر سری لنکا میں ایک بندرگاہ اور ائرپورٹ کا کنٹرول لے لیا گیا ہے، جبوتی میں ایک فوجی اڈہ بنا لیا گیا ہے، ایتھوپیا میں ریلوے پٹریاں بچھائی جا رہی ہیں، کانگو میں تانبے اور کوبالٹ پر قبضہ کر لیا گیا ہے، زیمبیا میں تانبا، انگولا میں تیل کے ذخائر وغیرہ۔عالمی تجارت کے سب سے اہم سمندری راستے بحیرۂ جنوبی چین پر بھی چین اپنا حق جتا رہا ہے۔

225۔یہ اقدامات براہ راست امریکی سامراج کے لئے سنگین خطرہ ہیں۔اس کا ناگزیر نتیجہ چین اور امریکہ میں بڑھتا کھچاؤ ہے۔پچھلا دور ہوتا تو اب تک طبل جنگ بج چکے ہوتے۔لیکن آج طاقتوں کا توازن مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔

226۔ٹرمپ کی تمام کوششوں کے باوجود شمالی کوریا نے اپنے جوہری ہتھیار ختم نہیں کئے۔''بونے راکٹ مین'' نے اسے تگنی کا ناچ نچا دیا۔تو پھر امریکہ شمالی کوریا جیسے ایک چھوٹے سے ایشیائی ملک پر حملہ کیوں نہیں کر دیتا؟

227۔ماضی میں امریکیوں نے کوریا میں ایک جنگ کی جو بے نتیجہ رہی تھی۔لیکن ویتنام میں بے پناہ پیسہ اور خون بہانے کے باوجود امریکہ کو پہلی مرتبہ شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے بعد انہیں

عراق، افغانستان اور شام میں بھی شرمناک شکست ہوئی ہے۔

228۔ٹرمپ ایران پر فضائی حملہ کرنے کے لئے تیار تھا لیکن آخری لمحے پر وہ نتائج سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ساری بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جنگ کوئی مجرد نہیں بلکہ ایک ٹھوس سوال ہے۔

229۔امریکہ یوکرائن یا جارجیا کا روس کے خلاف دفاع نہیں کر سکا۔روس کے پاس ایک طاقتور فوج ہے جس نے شام میں اپنا لوہا منوایا ہے۔امریکہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا اور اب روس اور ایران وہاں حقیقی آقا بن چکے ہیں۔امریکہ نے مٹھی بھر فوجی بالٹک ریاستوں میں روسی جارحیت سے ''دفاع'' کے لئے بھیجے۔لیکن پیوٹن کا ان چھوٹی ریاستوں پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی اسے اس اقدام سے کوئی پریشانی ہے۔

230۔چین کے حوالے سے تو معاملہ اور بھی واضح ہے۔آج چین ماضی کی طرح ایک غریب اور غیر ترقی یافتہ ملک نہیں ہے۔وہ معاشی طور پر ایک مضبوط ریاست ہے جس کی ایک طاقتور فوج ہے اور جوہری ہتھیاروں کے ساتھ بین البراعظمی میزائل موجود ہیں جو امریکہ کے کسی بھی شہر پر داغے جا سکتے ہیں۔

231۔چین نے حال ہی میں چاند کے گرد ایک سیٹلائٹ اور مریخ کے لئے ایک خلائی مشن بھیجا ہے۔واشنگٹن بڑے غور سے یہ معاملات دیکھ رہا ہے۔اس لئے کم از کم مستقبل قریب میں امریکہ اور چین یا پھر امریکہ اور روس کے درمیان جنگ کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔

232۔1914-18ء کی پہلی عالمی جنگ اور 1939-45ء کی دوسری عالمی جنگ کی طرز پر کسی جنگ کے امکانات طاقتوں کے تبدیل شدہ توازن نے ختم کر دیئے ہیں۔جدید حالات میں اس کا مطلب ایک ہی ہے، جوہری جنگ، اور یہ پوری دنیا کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی۔

233۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگلا دور بڑا پر امن ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔جنگیں ہر وقت جاری رہیں گی، چھوٹی مگر ہولناک مقامی جنگیں، بالخصوص افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ میں۔ امریکی سامراج دیگر سامراجی طاقتوں کے ساتھ مل کر پراکسی فوجوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے اپنے حریفوں کے خلاف مقامی جنگیں لڑتا آیا ہے اور مستقبل میں چین کے ساتھ لڑائیوں میں بھی

یہی حکمت عملی اپنائی جائے گی۔اب امریکی عوام کسی صورت امریکی فوجیوں کی لاشیں دیکھنے کو تیار نہیں اور اس لئے اپنے فوجیوں کو براہ راست کسی غیر ملکی جنگ میں اتارنا اب بہت مشکل ہو چکا ہے۔

234۔یہ صورتحال صرف اسی وقت تبدیل ہوگی اگر ایک بونا پارٹسٹ ملٹری پولیس حکومت امریکہ میں اقتدار پر قبضہ کر لیتی ہے۔لیکن ایسا امریکی محنت کش طبقے کی پے در پے شکستوں کے بعد ہی ممکن ہوگا اور ہمارا ایسا کوئی تناظر نہیں ہے۔ایسا ہونے سے بہت پہلے محنت کش طبقے کو اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے ان گنت مواقع ملیں گے۔ٹرمپ کی نام نہاد فسطائیت کے حوالے سے نام نہاد بائیں بازو اور فرقہ پرستوں کا رونا دھونا انتہائی بچگانہ ہے اور ہمارے پاس ان فضولیات پر کان دھرنے کا وقت نہیں۔

235۔اس وقت امریکی سامراج اپنی معاشی قوت کو اپنی عالمی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ٹرمپ حکومت نے مسلسل معاشی پابندیوں کی دھمکی کو واشنگٹن کی خارجہ پالیسیاں منوانے کے لئے استعمال کیا ہے۔امریکی سامراج نے تجارت کو ہتھیار بنالیا ہے۔

236۔پچھلی امریکی حکومت اور اس کے یورپی اتحادیوں نے انتھک محنت کے بعد ایران کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ٹرمپ نے یکطرفہ طور پر نہ صرف معاہدہ توڑ دیا بلکہ ایران کی معیشت کا گلا گھونٹنے کے لئے پابندیاں شدید کر دیں۔اس کے ساتھ اس نے یورپی کمپنیوں اور بینکوں کو بھی امریکی منڈی سے لات مار کر نکال دینے کی دھمکی پر یہ کام کرنے پر مجبور کر دیا۔

237۔ماضی میں اگر برطانوی سامراج کو فارس جیسی نیم نوآبادیات سے کوئی مسئلہ ہوتا تھا تو وہ ایک جنگی بحری جہاز بھیج دیتے تھے۔آج امریکہ اپنے بورڈ آف ٹریڈ سے ایک خط بھیج دیتا ہے۔درحقیقت موخر الذکر کے ایک جنگی بحری جہاز سے برسائے گئے چند گولوں سے کہیں زیادہ تباہ کن اثرات پڑتے ہیں۔

238۔کلازویٹز نے کہا تھا کہ جنگ دیگر ذرائع سے سیاست کا ہی تسلسل ہے۔آج ہم یہ اضافہ کر سکتے ہیں کہ تجارت دیگر ذرائع سے جنگ ہی ہے۔

”جادوٹونے کی معاشیات“

239۔جب حکمران طبقے کو سب کچھ ختم ہوتا نظر آ رہا ہوتو وہ اپنے نظام کو بچانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یہی سب کچھ آج ہو رہا ہے۔ ہیجان میں بحران سے باہر نکلنے کے راستے تلاش کرنے کی تگ ودو میں بورژوازی ایک شرابی کی طرح ہر جگہ ٹکریں مار رہی ہے۔

240۔انہوں نے تاریخ کے کوڑے دان میں ہاتھ مار کر کینیشیئن ازم کے پرانے نظریات باہر نکال لئے ہیں۔ بورژوازی اس سراب میں اندھی ہوگئی ہے۔ یہ وہی پرانے اور فرسودہ نظریات ہیں جنہیں خود انہوں نے انتہائی رعونت سے دھتکار دیا تھا۔

241۔ٹیڈ گرانٹ کینیشیئن ازم کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ یہ جادوٹونے کی معاشیات ہے۔ یہ بڑی درست تعریف ہے۔ یہ خیال کہ بورژوازی بحران ٹال سکتی ہے یا اس سے باہر آنے کے لئے عوامی پیسہ پانی کی طرح بہا سکتی ہے بڑا دلفریب ہے، خاص طور پر ان بائیں بازو کے اصلاح پسندوں کے لئے جو اس کی آڑ میں سماج کو تبدیل کرنے کی جدوجہد سے جان چھڑا لیتے ہیں۔لیکن یہاں ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے۔

242۔ریاست پیسوں کا کوئی جادوئی درخت نہیں ہے۔ یہ خیال کہ وہ لامحدود فنڈ کا ذریعہ ہو سکتی ہے، سراسر بکواسیات ہے۔لیکن اس بکواس کو تقریباً ہر حکومت نے اپنایا ہوا ہے۔درحقیقت یہ مایوسی سے جنم لینے والی پالیسی ہے۔اس پالیسی کی وجہ سے قرضوں کے ایسے دیوہیکل پہاڑ بن چکے ہیں ہیں جو پہلے جنگی حالات میں ہی دیکھے جاتے تھے۔

243۔اس وقت ہر جگہ حکومتیں پانی کی طرح پیسہ بہا رہی ہیں۔ وہ اربوں ڈالر، پونڈ یا یورو خرچ کرنے کی باتیں ایسے کرتے ہیں جیسے تالاب میں چونیاں پھینک رہے ہوں۔

244۔نتیجتاً معیشت کی بنیادوں میں قرضوں کا ایک ٹائم بم نصب ہے۔طویل عرصے میں یہ بم کسی بھی دہشت گرد کے بم سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوگا۔ایک مرتبہ ایلن گرین سپین نے اس حوالے سے کہا تھا کہ ”یہ منڈی کی غیر منطقی خوشی ہے“۔

245۔زیادہ بہتر لفظ ”پاگل پن“ ہوگا۔اس پاگل پن کا ناگزیر نتیجہ ایک گراوٹ ہے جس کو خوش فہمی

سے ''منڈی کی اصلاح'' کا نام دیا جاتا ہے۔

معیشت میں ریاست کا کردار

246۔ 8 مئی 2020ء کو فنانشل ٹائمز نے ایک ادارتی اعلامیہ شائع کیا تھا، جس میں وہ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

247۔ ''کم از کم ایک کمیونسٹ انقلاب کے بغیر یہ تصور کرنا بھی مشکل ہے کہ کس طرح حکومتوں نے، لیبر کے لئے، قرضوں کے لئے، اجناس اور سروسز کے تبادلے کے لئے؛ نجی منڈی میں اتنی تیزی اور وسعت کے ساتھ مداخلت کی ہے جس طرح سے وہ لاک ڈاؤن کے پچھلے دو ماہ میں کر رہی ہیں۔

248۔ ''راتوں رات نجی شعبے کے محنت کش عوامی بجٹ سے اجرتیں حاصل کرنے لگے ہیں اور مرکزی بینکوں نے مالیاتی منڈیوں کو الیکٹرانک پیسوں سے بھر دیا ہے''۔

249۔ لیکن ان الفاظ کو کیسے اس مسلسل گردان سے ہم آہنگ کیا جائے کہ ریاست کا ''آزاد منڈی کی معیشت'' میں کوئی کردار نہیں؟ اس سوال کا فنانشل ٹائمز نے بڑا دلچسپ جواب دیا ہے۔

250۔ ''۔۔۔ لیکن لبرل جمہوری سرمایہ داری خود کفیل نہیں ہے اور اسے مضبوط رکھنے اور دوام دینے کے لئے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے''۔

251۔ دوسرے الفاظ میں ''آزاد منڈی'' آزاد بالکل نہیں ہے! موجودہ حالات میں ریاستی بیساکھیوں کے بنا اس کے گزارہ ممکن نہیں۔ اس کا وجود ہی ریاست کی دیو ہیکل اور بے مثال خیرات کے دم پر قائم ہے۔ آئی ایم ایف کے مطابق پوری دنیا میں دی جانے والی مالیاتی امداد کا حجم ناقابل یقین 14 ٹریلین ڈالر کے برابر ہے۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ عالمی حکومتی قرضہ جی ڈی پی کے 99 فیصد تک پہنچ چکا ہے۔

252۔ یہ سیدھا سیدھا دیوالیہ پن کا اعتراف ہے۔ اس سارے جوڑ توڑ میں بنیادی مسئلہ ایک ہی ہے اور وہ ہے 'قرضہ'۔ سال 2020ء کے اختتام تک مجموعی عالمی قرضے (حکومتی، گھریلو اور

کارپوریٹ) کے حجم میں 2019ء کے مقابلے میں 35 فیصد اضافہ ہوا اور یہ ریکارڈ 281 ٹریلین ڈالر تک پہنچ کر جی ڈی پی کے 356 فیصد کے برابر ہو چکا ہے۔ یہ ابھی بھی مسلسل بڑھ رہا ہے اور اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن چکا ہے۔

253۔ جاپان نے کورونا وباء کے معاشی اثرات سے بچنے کے لئے 3 ٹریلین ڈالر خرچ کیے ہیں۔ ملک کا قومی قرضہ پہلے ہی معیشت کے کل حجم سے 2.5 گنا زیادہ ہے۔ چین کے حالات اور بھی خراب ہیں جہاں مجموعی قرضہ جی ڈی پی کے 280 فیصد سے تجاوز کر چکا ہے۔ چین اس معاملے میں اب سب سے ترقی یافتہ ممالک کے برابر پہنچ چکا ہے اور معیشت کے تمام سیکٹروں میں قرضہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔

254۔ اس سال جنوری میں ورلڈ بینک نے خبردار کیا کہ "قرضوں کی چوتھی لہر" آ رہی ہے جو خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک کے باہر نہایت شدید ہوگی۔ وہ ایک مالیاتی انہدام کے حوالے سے بہت پریشان ہیں جس کے اثرات طویل مدتی ہوں گے۔

255۔ بورژوازی ایک پاگل جواری بن چکی ہے جو مسلسل پیسہ پھینکے جا رہی ہے جو کہ اس کا ہے ہی نہیں۔ انہیں جواری کی طرح بے تحاشا پیسہ خرچ کر کے بہت مزہ آتا ہے اور اس کی طرح وہ اس فریب کا شکار ہیں کہ ان کی قسمت کو ہمیشہ چار چاند لگے رہیں گے۔ لیکن پھر ایک ناگزیر لمحہ آتا ہے، اور اس نے آنا ہی ہوتا ہے، جب قرضوں کی ادائیگی تلوار بن کر سر پر لٹک جاتی ہے۔

256۔ جلد یا بدیر یہ قرضے اپنا کرشمہ دکھائیں گے۔ لیکن فی الحال وہ اس پاگل پن کو جاری رکھ کر بڑے خوش ہیں۔ مسلسل پیسہ چھاپا جا رہا ہے جس کی کاغذ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ حیثیت نہیں اور معیشت کو جعلی سرمائے میں ڈبو دیا گیا ہے۔

کیا بحالی ممکن ہے؟

257۔ اس دیوانگی میں وہ بڑے اعتماد سے مضامین بھی شائع کر رہے ہیں جن میں بحالی کا دعویٰ بھی کیا جا رہا ہے۔ کوئی عام بحالی نہیں بلکہ ایک دیوہیکل ابھار۔ بورژوا پریس میں آئے دن بحالی

کی پیش گوئی ہوتی رہتی ہے۔ یہ پیش گوئیاں رجائیت سے بھرپور تو ہیں لیکن حقیقت سے عاری ہیں۔

258۔موجودہ بحران ماضی کے بحرانوں سے کئی پہلوؤں سے مختلف ہے۔پہلی بات یہ کہ کورونا وباء اور یہ بحران لازم وملزوم ہیں اور کوئی یقین کے ساتھ پیش گوئی نہیں کرسکتا کہ وباء کب تک جاری رہے گی۔

259۔ان تمام وجوہات کی بنیاد پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی معاشی پیش گوئیوں کو سنجیدہ لیا ہی نہیں جاسکتا۔یہ قیاس آرائیوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں۔

260۔لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بحالی ہو ہی نہیں سکتی؟ نہیں ایسا نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا۔ درحقیقت ایک مخصوص نقطے پر کچھ نہ کچھ بحالی ناگزیر ہے۔سرمایہ دارانہ نظام ہمیشہ سے ابھار اور انہدام کے چکر میں چلتا آیا ہے۔وباء نے اس معاشی مدوجزر کو مسخ کر دیا ہے لیکن اسے ختم نہیں کیا۔

261۔لینن نے وضاحت کی تھی کہ سرمایہ دارانہ نظام گہرے ترین بحران سے بھی باہر آجاتا ہے۔ یہ نظام اس وقت تک جاری رہے گا جب تک محنت کش طبقہ اسے اکھاڑ کر تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک نہیں دیتا۔جلد یا بدیر سرمایہ داری اس بحران سے باہر نکلنے کا راستہ بھی تلاش کرلے گی۔لیکن یہ کہہ دینے سے کچھ واضح نہیں ہوتا۔

262۔اس سوال کو ہمیں ٹھوس بنیادوں پر پرکھنا ہوگا، ان بنیادوں پر جن کا ہمیں پتہ ہے۔ان ابھاروں اور انہداموں کی اصل ماہیت بڑی حد تک تبدیل ہوسکتی ہے۔اصل سوال یہ ہے کہ ہم کس قسم کی بحالی کی بات کررہے ہیں؟

263۔کیا یہ بڑھوتری اور خوشحالی کا ایک طویل دور ہوگا؟ یا پھر یہ دو بحرانوں کے درمیان ایک وقفہ ہوگا؟ سب سے زیادہ پرامید دعوے، ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ مما لک کی ”رکی ہوئی مانگ“ کی بنیاد پر کیے جارہے ہیں۔

264۔وباء کے دوران لوگوں نے اشیاء کی خریداری، ہوٹلنگ، کیفے، شراب خانوں اور بیرون

ملک سفر وغیرہ پر زیادہ پیسے نہیں خرچ کیے۔ تھیوری یہ ہے کہ وباء کے اختتام پر اس جمع شدہ پیسے کا بند کھل جائے گا، معیشت تیزی کے ساتھ آگے بڑھے گی اور اعتماد بحال ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ معیشت میں مزید عوامی پیسوں کے انجکشن لگا کر تیزی سے بحالی ممکن ہو سکتی ہے۔

بحالی اور طبقاتی جدوجہد

265۔ ایک لمحے کے لئے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اس کے کیا نتائج نکلیں گے؟ ہماری نظر میں اس کے نتائج سراسر منفی نہیں ہوں گے۔ وباء اور تیز ترین بیروزگاری نے محنت کش طبقے کے اعصاب شل کر دیئے تھے اور وہ ایک حد تک مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

266۔ اس وجہ سے ہڑتالیں اور دیگر عوامی تحرک رک گیا اور حکومتوں کو موقع مل گیا کہ وہ ''کورونا وباء سے لڑنے'' کے بہانے غیر جمہوری اقدامات کر سکیں۔

267۔ لیکن وباء کے خاتمے کے ساتھ معمولی معاشی بحالی جس کے ساتھ بیروزگاری میں بھی کمی واقع ہو، معاشی جدوجہد کو دوبارہ زندہ کرے گی کیونکہ محنت کش گزشتہ عرصے میں چھینی گئیں مراعات واپس جیتنے کی کوششیں کریں گے۔

268۔ لیکن ایسی کوئی بھی بحالی عارضی اور شدید غیر مستحکم ہوگی کیونکہ اس کی بنیاد ہی مصنوعی اور کھوکھلی ہوگی۔ اس کی بنیاد میں ہی اس کی تباہی کا بیج دفن ہوگا۔ اور یہ جتنا زیادہ اوپر چڑھے گی اس کا انہدام اتنا ہی خوفناک ہوگا۔

269۔ مزید برآں، یہ بحالی بہت غیر متوازن ہوگی جس میں ممکنہ طور پر چین امریکہ سے آگے نکل جائے گا جبکہ یورپ پیچھے لڑکھڑاتا رہے گا۔ اس سے چین اور امریکہ، چین اور یورپ کے درمیان تناؤ مزید بڑھے گا جس سے تجارتی جنگ اور بھی زیادہ جارحانہ ہوگی اور اس کا ناگزیر نتیجہ عالمی تجارت کی مزید بربادی اور مزید معاشی گراوٹ کی صورت میں نکلے گا۔

270۔ عالمی سرمایہ داری کو لاحق یہ سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یاد رہے کہ عظیم کساد بازاری کی وجہ 1929ء کا سٹاک مارکیٹ کریش نہیں تھا بلکہ اس کے بعد لاگو ہونے والی تحفظاتی پالیسیاں تھیں۔

''1920ء کی طوفانی دہائی''

271۔ معیشت دان جب وباء کے بعد تیز ترین معاشی بحالی کی بات کرتے ہیں تو وہ اکثر ''1920ء کی طوفانی دہائی'' کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ حوالہ انتہائی کمزور ہے اور اس سے اخذ کئے گئے نتائج سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے حوصلہ افزاء بھی نہیں ہیں۔

272۔ یہ درست ہے کہ 1924ء کے بعد ہونے والی بحالی کا کردار بڑا ہیجانی تھا اور سٹاک مارکیٹ میں شدید سٹے بازی کے ساتھ مصنوعی سرمائے کے دیوہیکل پہاڑ پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ اس ساری کیفیت کا اختتام 1929ء کے کریش میں ہوا تھا۔

273۔ یہ ممکن ہے کہ ہمیں کچھ ایسی ہی صورتحال کا سامنا ہو۔ لیکن اس میں ایک فرق ہوگا۔ اِس وقت مصنوعی سرمائے کے بے مثال انبار ''1920ء کی طوفانی دہائی'' سے کہیں زیادہ ہیں۔ درحقیقت یہ تاریخ میں کسی بھی پر امن دور میں سب سے زیادہ ہیں۔ جب انہدام ہوگا، اور یہ ناگزیر ہے، تو اس کا حجم بھی بے مثال ہوگا۔

274۔ بورژوازی ایک بات بھول رہی ہے۔ پیسہ کسی حقیقی قدر کا نمائندہ ہونا چاہیے ورنہ وہ صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا ہے- ایک ایسے وعدے کی رسید جو کبھی پورا نہیں ہوگا۔ روایتی طور پر پیسے کی بنیاد سونا تھی۔ ہر قوم کو اپنے خزانے میں سونا رکھنا ہوتا تھا اور تھیوری کی حد تک پیسوں کے بدلے کوئی بھی سونے کا مطالبہ کر سکتا تھا۔

275۔ لیکن عملی طور پر ایسا ممکن نہیں تھا۔ وقت کے ساتھ لوگوں نے یہ قبول کر لیا کہ ڈالر، پونڈ یا یورو ''سونے کے برابر ہی ہیں''۔ ظاہر ہے یہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، سونے سے پہلے چاندی ہوا کرتی تھی۔ اس سے پہلے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ پیداوار ہو سکتی تھی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اگر اس کے پیچھے کوئی مادی قدر موجود نہیں تو پھر یہ محض کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔

276۔ گولڈ سٹینڈرڈ کو ختم کر کے جب یہ اہم ناطہ توڑ دیا گیا تو حکومتیں اور مرکزی بینک جتنا مرضی چاہیں پیسہ چھاپنے کے لئے آزاد ہو گئے۔ لیکن معیشت میں بھاری مقدار میں مصنوعی سرمایہ پھینکنے کی وجہ سے گردش میں موجود پیسے اور اس سے کتنی اشیاء اور سروسز خریدی جا سکتی ہیں، ان کا آپسی

تعلق مسخ ہو گیا ہے۔امریکی معیشت میں،اس کا پیمانہ M2 ہے۔سال 2020ء میں معیشت میں پیسے کی سپلائی میں حیران کن 4 ٹریلین ڈالر کا اضافہ دیکھنے میں آیا۔ یہ ایک سال میں 26 فیصد اضافہ ہے جو 1943ء کے بعد سے کسی بھی ایک سال میں سب سے بڑا اضافہ ہے۔اس کا ناگزیر اظہار تیز ترین افراطِ زر میں ہوگا۔

277۔اس حقیقت کو سیاست دان، معیشت دان اور مرکزی بینک سب نظر انداز کر رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ابھی تک افراطِ زر کا خطرہ سامنے نہیں آیا۔ یہ درست ہے اور اس کی وجہ مانگ میں شدید کمی ہے جو پھر بحران کی شدت کا اظہار ہے۔صارف قیمتوں میں اپنا راستہ بند پا کر افراطِ زر کا دباؤ اپنا اظہار سٹے کے بلبلوں میں کر رہا ہے مثلاً سٹاک مارکیٹ شیئرز، کرپٹو کرنسی وغیرہ۔لیکن یہ صورتحال ہمیشہ جاری نہیں رہ سکتی۔اور پھر سرمایہ کاروں کی یہ وقتی خوشی اپنے الٹ میں تبدیل ہو جائے گی۔

278۔اگرچہ ایسا کوئی طریقہ دستیاب نہیں جس کی مدد سے پہلے سے یہ اندازہ لگا پانا ممکن ہو کہ بحران کیسے آشکار ہوگا،لیکن ایک مخصوص لمحے پر دیوہیکل قرضوں کا دباؤ خوف وہراس پھیلائے گا۔ شرحِ سود کو تیزی سے بڑھایا جائے گا تا کہ افراطِ زر کو کنٹرول کیا جا سکے۔سستا قرضہ، جواب تک نظام کو سہارا دیتا آیا ہے، راتوں رات ہوا ہو جائے گا۔ بینک چھوٹے اور درمیانے کاروباروں کو قرضہ دینا بند کر دیں گے اور یہ دیوالیہ ہو جائیں گے۔

279۔1929ء کی طرح معاشی حقائق سرمایہ کاروں کی ''غیر منطقی خوشی'' پر ٹھنڈا پانی ڈال دیں گی۔جس طرح رات کے بعد دن یقینی ہے،بعینہ پوری دنیا کی سٹاک مارکیٹوں میں کھلبلی مچ جائے گی۔سرمایہ کار اپنے حصص نقصان پر بیچ دیں گے اور ایک خوفناک انہدام شروع ہو جائے گا جسے روکنے ناممکن ہوگا۔

280۔ابھی سے سرمایہ کاروں کو امریکہ میں قرضوں کے پہاڑ نظر آ رہے ہیں اور انہیں ابھی سے شک ہو رہا ہے کہ ڈالر کی وہ قدر نہیں جو بتائی جا رہی ہے۔اگر سنجیدہ اقدامات نہیں کیے جاتے تو مستقبل میں ڈالر سے جان چھڑانے کی دوڑ لگ جائے گی، اس کی قدر میں شدید گراوٹ دیگر

کرنسیوں کو بھی برباد کردے گی اور عالمی مالیاتی منڈی میں شدید انتشار پھیل جائے گا۔

281۔سرمایہ دار سونے، چاندی اور پلاٹینم میں پناہ ڈھونڈیں گے۔ یہ حقیقی معیشت میں شدید گراوٹ کا آغاز ہوگا، سرمایہ کاری ختم ہو جائے گی، قرضے بند ہو جائیں گے اور نتیجہ ان گنت دیوالیے، فیکٹریوں کی بندش اور بے تحاشا بیروزگاری ہوگا۔

282۔آخر میں، بحران خود بینکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔صرف ایک بڑے بینک کا انہدام عمومی بینکاری بحران کو جنم دینے کے لئے کافی ہوگا۔ 11 مئی 1931ء کو یہی ہوا تھا جب آسٹرین کریڈٹ آن سٹالٹ بینک نے اعلان کیا کہ ان کا آدھے سے زیادہ سرمایہ ختم ہو گیا ہے۔آسٹرین قانون کے مطابق آدھے سے کم سرمائے پر بینک کو دیوالیہ قرار دے دیا جاتا تھا۔

283۔ یہ سب کچھ دوبارہ بھی ہوسکتا ہے۔ بورژوا معیشت دان یہ کہتے ہوئے اپنے تنے ہوئے اعصاب کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایسا دوبارہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم نے تاریخ سے سبق سیکھ لیا ہے۔لیکن ہیگل نے کہا تھا کہ ”تجربہ اور تاریخ ہمیں سکھاتے ہیں کہ لوگ اور حکومتیں تاریخ سے کچھ نہیں سیکھتے اور نہ ہی اس سے اخذ شدہ قوانین پر عمل کرتے ہیں“۔

284۔لیکن ابھی سے خطرے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں اور کچھ سنجیدہ معیشت دان بھانپ رہے ہیں کہ حالات کس طرف جا رہے ہیں۔لیکن خطرے کی تمام علامات کے باوجود بورژوازی کے پاس موجودہ منتخب شدہ راستے کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ موجود ہی نہیں۔

285۔اب سرمایہ داری گلنے سڑنے کی تمام علامات پیش کر رہی ہے۔ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی قسم کی بحالی سے نظام میں بحیثیت مجموعی کوئی بہتری نہیں آئے گی بلکہ یہ ایک گردشی ابھار ہوگا جو اور بھی گہرے بحران کو جنم دے گا۔اور 1930ء کی دہائی سے بھی بڑی کساد بازاری تیار ہو رہی ہے۔ یہ موجودہ پالیسیوں کا ناگزیر نتیجہ ہوگا۔یہی حقیقی تناظر ہے اور اس کے سماجی اور سیاسی نتائج کا اندازہ لگانا خاصا مشکل ہے۔

سماجی اور سیاسی نتائج

286۔ مارکس وادیوں کے لئے معیشت کا مطالعہ اس حد تک اہم ہے کہ اس کے عوامی شعور پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہم نے جو منظر کشی کی ہے ظاہر ہے کہ اس کی 1930ء کی دہائی سے واضح مماثلت ہے لیکن اہم فرق بھی موجود ہیں۔

287۔ اس وقت سماج میں موجود تضادات کو نسبتاً کم وقت میں حل کر لیا گیا تھا اور ان کا انجام محنت کش طبقے کی فتح یا فاشزم یا بوناپارٹ ازم کی رجعتیت ہی ہو سکتا تھا۔ آج طاقتوں کے توازن میں تبدیلی کی بنیاد پر اس طرح کا کوئی فوری حل ناممکن ہے۔

288۔ 1930ء کی دہائی کے مقابلے میں آج محنت کش طبقے کا حجم کئی گنا زیادہ ہے۔ سماج میں اس کا اثر و رسوخ کہیں بڑھ کر ہے جبکہ رجعت کی ممکنہ سماجی بنیادیں (کسان، چھوٹے پراپرٹی مالکان وغیرہ) بہت قلیل رہ گئی ہیں۔

289۔ بورژوازی اپنی تاریخ کے سب سے سنگین بحران میں پھنسی ہوئی ہے لیکن یہ فوری طور پر رجعتیت کی طرف رجوع نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف معروضی قوت رکھنے کے باوجود محنت کش طبقے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کی قیادت ہے جو 1930ء کی دہائی کے مقابلے میں اور بھی زیادہ انحطاط پذیر ہو چکی ہے۔

290۔ ان تمام وجوہات کی بنیاد پر موجودہ بحران طوالت اختیار کرے گا۔ موضوعی عنصر کی عدم موجودگی میں کئی اتار چڑھاؤ کے ساتھ یہ کیفیت سالوں بلکہ دہائیوں تک جاری رہ سکتی ہے۔ لیکن یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ طوالت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ دور پر انتشار نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس تناظر تند و تیز اور اچانک تبدیلیوں کا ہی ہے۔

291۔ محنت کش طبقے کے شعور میں بڑھوتری کو میکانکی انداز میں ہڑتالوں اور عوامی احتجاجوں کی تعداد میں سمویا نہیں جا سکتا۔ یہ فرقہ پرستوں اور الٹرا لیفٹ رجحانات کا انتہائی غلط خیال ہے جن کے کام کی تمام تر بنیاد بے وقوفانہ اور اندھا دھند ایکٹویزم پر ہوتی ہے۔ وہ سماج کی گہرائیوں میں مسلسل جاری ریڈیکلائزیشن کے عمل کو جانچ ہی نہیں سکتے۔ اسی عمل کو ٹراٹسکی نے سوشلسٹ

انقلاب کا سالماتی عمل قرار دیا تھا۔

292۔سطحی تجربیت پسند سطحی واقعات تک ہی محدود رہتے ہیں اور حقیقی عوامل ان کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔اس لئے طبقاتی جدوجہد میں عارضی وقفہ ان کے اوسان خطا کر دیتا ہے۔وہ تلخ اور مایوس ہو جاتے ہیں لیکن جب تحریک پھر سے اچانک رونما ہوتی ہے تو وہ حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔

293۔وباء اور وسیع بیروزگاری نے معاشی جدوجہد کو بریک لگا دی ہے۔ناموافق حالات کی وجہ سے ہڑتالوں میں واضح کمی آئی ہے اگرچہ کچھ احتجاج ہوئے ہیں۔لیکن عوامی جدوجہد کی عدم موجودگی کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ شعور کی بڑھوتری کا عمل رک گیا ہے۔صورتحال اس کے برعکس ہے۔

294۔بحران کی شدت کروڑوں مردوں اور عورتوں کی نفسیات تبدیل کر رہی ہے۔نوجوان خاص طور پر انقلابی نظریات کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔سماج کے خوفناک تضادات اور عوام کے ہولناک آلام ومصائب سے سماج کی گہرائیوں میں دیوہیکل غم وغصہ اور تلخی مجتمع ہو رہی ہے۔

295۔یہ عمل جتنا طویل ہوگا اس کا اظہار اتنا ہی متشدد اور بے مثال ہوگا۔یہ ناگزیر ہے۔جیسے مارکس نے اینگلز کو لکھا تھا کہ،

296۔”مجموعی طور پر بحران ایک چھچھوندر کی مانند کھدائی کرتا چلا جا رہا ہے“۔

ٹریڈیونینز

297۔ٹراٹسکی نے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ تھیوری، حیرانگی پر پیش بینی کی سبقت ہے۔اصلاح پسند اور فرقہ پرست ہمیشہ حیران ہو جاتے ہیں جب محنت کش طبقہ ظاہری جمود کے بعد حرکت کرنا شروع کر دیتا ہے۔

298۔سال 1968ء کے آغاز میں مینڈیلائٹس اور دیگر فرقہ پرستوں نے فرانسیسی محنت کش طبقے کو فراموش کر دیا تھا۔ان کا کہنا تھا کہ محنت کش بورژوا اور امریکی رنگ میں رنگے جا چکے ہیں۔ان

میں سے ایک صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اس وقت کسی بھی یورپی ملک میں ایک عام ہڑتال کے امکانات نہیں ہیں۔ چند ہفتوں بعد فرانسیسی محنت کشوں نے تاریخ کی سب سے دیوہیکل انقلابی عام ہڑتال کا آغاز کر دیا۔

299۔ پچھلے دور میں محنت کش طبقے کی بڑی تحریکوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ مکمل طور پر گمراہ ہو گئے تھے۔ آج بھی ٹریڈ یونینز اور مزدور تحریک میں کئی سرگرم کارکنان ماضی کے واقعات سے پریشان حال ہیں۔ وہ محنت کشوں کی جدوجہد کرنے کی قوت پر اعتماد کھو چکے ہیں اور مایوسی کا شکار ہیں۔ وہ بذات خود جدوجہد کی راہ میں رکاوٹ بن چکے ہیں۔ ان کے شکست خوردہ اور تلخ خیالات سے رہنمائی حاصل کرنا ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہوگا۔

300۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایک کمزور معاشی بحالی بھی طبقاتی جدوجہد کو ابھار سکتی ہے اور اس کے نتیجے میں ٹریڈ یونینز کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اس وقت بھی اصلاح پسند ٹریڈ یونین قائدین مکمل طور پر حواس باختہ ہیں۔ وہ ماضی کا قصہ ہیں جب ان کی زندگیاں آسان تھیں اور مالکان کے ساتھ تعلقات اچھے تھے کیونکہ مالکان محنت کشوں کو اپنے منافعوں کو کوئی خاص کم کئے بغیر مراعات دے سکتے تھے۔

301۔ اب حالات بالکل مختلف ہیں۔ مالکان پوری کوشش کر رہے ہیں کہ بحران کا تمام بوجھ محنت کشوں پر ڈالا جائے جبکہ محنت کش خود ناقابل برداشت حالات میں دھنستے چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ اب ان کی اور ان کے خاندانوں کی زندگیاں داؤ پر لگ چکی ہیں۔

302۔ سنگین بحران کی موجودگی میں بامقصد اور طویل مدتی مراعات نہیں دی جا سکتیں۔ محنت کشوں کو نئی مراعات کی بجائے ماضی میں جیتی گئی حاصلات کے دفاع کے لئے سرتوڑ کوششیں کرنی پڑیں گی۔

303۔ لیکن اگر وہ کسی موڑ پر کامیاب ہوتے بھی ہیں تو ان کی حاصلات گردش میں پھینکے جانے والے دیوہیکل مصنوعی سرمائے کے نتیجے میں دوبارہ رونما ہونے والا افراطِ زر کھا جائے گا۔ مالکان ایک ہاتھ سے جو کچھ دیں گے، وہ دوسرے ہاتھ سے چھین لیں گے۔

304۔اس کا مطلب ہے کہ یونینز محنت کشوں کے شدید دباؤ میں آئیں گی کہ ان کے حقوق، کام کے حالات اور معیارِ زندگی کا تحفظ کیا جائے۔ یونین قیادت کے سامنے دو ہی راستے ہوں گے، اس دباؤ کے نتیجے میں عمل کے میدان میں داخل ہو جائیں یا پھر لڑائی کے لئے تیار افراد کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ جدوجہد کے دوران یونینز مکمل طور پر تبدیل ہو جائیں گی۔

305۔ باضابطہ یونینز میں راستے مسدود ہو جانے اور قیادت میں فوری تبدیلی کے امکانات کی عدم موجودگی میں کچھ مخصوص حالات میں عام محنت کش اپنی صفوں میں سے بھی پہل گامی کریں گے۔اسپین میں ماریا کی سانتے این لوتے، بیلجیئم میں کولیکٹیو آف 1000 بس ڈرائیورز اور فرانس میں ہسپتالوں میں کولیکٹیوز وغیرہ کا بننا محنت کشوں میں مجتمع غصے، فوری متحد اقدام کی ضرورت اور سرکاری یونین قیادتوں کی بے حسی کا نتیجہ ہیں۔

306۔جدلیات ہمیں سکھاتی ہے کہ چیزیں اپنے الٹ میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ہمیں اس کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ یہاں تک کہ سب سے زیادہ قدامت پرست اور جمود کا شکار یونینز بھی جدوجہد کا حصہ بننے پر مجبور ہو جائیں گی۔ برطانیہ جیسے ممالک میں یہ عمل شروع ہو چکا ہے۔ یکے بعد دیگرے پرانے دائیں بازو کے قائدین مر رہے ہیں یا ریٹائر ہو رہے ہیں یا پھر ان کی جگہ نئے افراد آ رہے ہیں۔

307۔نوجوان طبقاتی جنگجوؤں کی ایک نئی نسل قیادت کو چیلنج کر رہی ہے۔ یونینز کی جدوجہد کے اوزار میں تبدیلی کے لیے حالات پک کر تیار ہو چکے ہیں۔ ہم مارکس وادیوں کو اس جدوجہد کی صف اول میں موجود ہونا چاہیے کیونکہ حتمی طور پر اس جدوجہد پر ہی ایک کامیاب سوشلسٹ انقلاب منحصر ہے۔

ہمارے فرائض

308۔سال 2021ء بے مثال ہوگا۔محنت کش طبقہ انتہائی کٹھن درسگاہ میں داخل ہو چکا ہے۔ اس مشکل راستے میں کئی ناکامیاں اور پسپائیاں ہوں گی لیکن اسی درسگاہ میں محنت کش انمول اسباق بھی سیکھیں گے۔

309۔کئی سالوں کا مجتمع شدہ تناؤ ایک دھماکے سے راتوں رات صورتحال کو تبدیل کر کے ہمارے لئے بہت سنجیدہ سوالات کھڑے کر سکتا ہے۔ہمیں ہر صورت تیار ہونا چاہیے! آنے والے عرصے میں نئی سماجی پرتیں جدوجہد میں اتریں گی۔ہم نے فرانس میں پیلی جیکٹ تحریک دیکھی ہے۔اب ہم ہندوستان میں کسان تحریک دیکھ رہے ہیں۔ایک انوکھے انداز میں ہم نے امریکی کانگریس پر حملے میں اس کی جھلک دیکھی۔امریکہ میں، ہم نے دیکھا کہ جارج فلوئیڈ کے قتل کے بعد تمام 50 ریاستوں کے 2 ہزار شہروں اور قصبوں، واشنگٹن ڈی سی اور پورٹو ریکو میں دیوہیکل احتجاج ہوئے جن میں اندازے کے مطابق 2 کروڑ ساٹھ لاکھ افراد نے شرکت کی اور جن کی شدت سے خوفزدہ ہو کر ٹرمپ دم دبا کر بنکر میں چھپنے میں مجبور ہو گیا۔

310۔بنیادی مسئلہ قیادت کا ہے۔عوام میں غم وغصہ موجود ہے لیکن اس کا اظہار روایتی تنظیموں میں نہیں ہو پا رہا ہے۔ٹریڈ یونین قیادت پوری جان لگا کر تحریک کو لگام ڈالے ہوئے ہے۔لیکن ان کے ساتھ یا ان کے بغیر، تحریک اپنا اظہار کر کے رہے گی۔

311۔عوام صرف تجربے سے ہی سیکھ سکتے ہیں۔لینن کہا کرتا تھا کہ ''زندگی سکھاتی ہے''۔محنت کش بحران کے تجربات سے سیکھ رہے ہیں۔لیکن یہ ایک سست رو اور تکلیف دہ عمل ہے۔ہم نے نظریات کی بنیاد پر جو نتائج کئی سال پہلے اخذ کر لئے تھے عوام کو ان تک پہنچنے میں وقت لگتا ہے۔

312۔سیکھنے کے اس عمل کو مہمیز مل سکتی ہے اگر معقول تعداد کے ساتھ ایک عوامی انقلابی تنظیم موجود ہو جس کی محنت کشوں میں معقول سیاسی اتھارٹی ہو۔ایسی پارٹی کے امکانات عالمی مارکسی رجحان میں موجود ہیں۔ہیگل نے لکھا تھا کہ ''جب ہمیں طاقتور تنے، پھیلی شاخوں اور بے تحاشہ پتوں والا شاہ بلوط دیکھنے کا تجسس ہو اور اس کی جگہ ہمیں بلوط کا پھل دکھا دیا جائے تو ہماری تشفی نہیں ہوتی۔''

313۔ہم نے شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں اور ہمیں پوری امید ہے کہ کامیابیوں کا یہ سفر جاری رہے گا۔لیکن ہمیں ایمانداری سے اعتراف کرنا چاہیے کہ فی الحال ہماری قوتیں محدود ہیں۔ہماری محنت کش طبقے اور اس کی تنظیموں میں وہ درکار جڑیں موجود نہیں جن کے ذریعے ہم فیصلہ کن کردار ادا کر سکیں۔

314۔لیکن درست نظریات اور بروقت نعروں کے ساتھ ہم محنت کشوں اور نوجوانوں کی سب سے

شعور یافتہ پرتوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اوران کے ذریعے وسیع تر پرتوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہم مخصوص جدوجہدوں میں قائدانہ کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔لیکن عمومی طور پر ہمارا ہدف چھوٹی کامیابیاں ہونا چاہیے کیونکہ چھوٹی کامیابیاں اور فتوحات ہی ہمارے لئے مستقبل میں بڑی کامیابیوں کی سیڑھی ثابت ہوں گی۔

315۔ ہمارے رجحان نے شاندار جرات اور بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اور مشکلات کا بھرپور مقابلہ کرتے ہوئے کام کرنے کے نئے طریقے تراشے ہیں۔نتیجتاً پچھلے 12 مہینوں میں ہماری بڑھوتری شاندار ہے جبکہ دیگر گروہ بحرانات اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر تاریخ کے کوڑے دان میں گر رہے ہیں۔

316۔آج ماضی کی نسبت ہمارے مد مقابل بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔فرقہ پرستوں کا شیرازہ بکھر رہا ہے اور ماضی میں ہمارے راستے کی ایک سنگین رکاوٹ یعنی سٹالنسٹ محض ایک پرچھائی بن چکے ہیں۔وہ ابھی بھی ماضی میں جیتے جانے والے کچھ ٹریڈ یونین عہدوں پر براجمان ہیں۔لیکن اب وہ یونین بیوروکریسی کے دائیں بازو کو محض ایک ''لیفٹ کور'' دینے کا کام کر رہے ہیں۔محنت کشوں کا تحرک انہیں خس وخاشاک کی مانند بہالے جائے گا۔

317۔ ہمارے اصل حریف بائیں بازو کے اصلاح پسند ہیں جن کا کوئی واضح سیاسی تناظر نہیں ہے۔ان میں سے کئی تو سماج کی سوشلسٹ تبدیلی کی لفاظی بھی نہیں کر سکتے اوراس لئے وہ مستقل طور ایک طرف بورژوازی اور دائیں بازو کے اصلاح پسندوں اور دوسری طرف عام محنت کشوں کے درمیان پنڈولم بن کر رہ گئے ہیں۔اور یہ ایک عالمی مظہر ہے۔

318۔لیکن واضح نظریات نہ ہونے کے باوجود (اور کچھ اس وجہ سے بھی) وہ ناگزیر طور پر عوامی ریڈیکلائزیشن کی بنیاد پر صف اول میں آ کھڑے ہوں گے۔ سیاسی طور پر غیر مستحکم اور واضح نظریات سے عاری ہونے کے سبب وہ کبھی بہت زیادہ ریڈیکل، یہاں تک کہ ''انقلابی'' نعرے بازی بھی کریں گے۔لیکن یہ بس لفاظی ہی ہوگی اور وہ اتنی ہی تیزی کے ساتھ واپس دائیں طرف جھک سکتے ہیں جتنی تیزی کے ساتھ انہوں نے بائیں جانب رخ کیا تھا۔دائیں بازو کے ساتھ لڑائی میں ہم انہیں مشروط حمایت دیں گے۔لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم سمجھوتے،موقع پرستی اور کم ہمتی

پر کڑی تنقید بھی جاری رکھیں گے۔

319۔ ہمارے تمام سیاسی حریفوں میں، جن میں بایاں بازو بھی شامل ہے، ایک قدر مشترک ہے کہ وہ نوجوانوں کو جیت نہیں سکتے۔ نوجوانوں میں بہترین عناصر جیتنے کی ہماری اہلیت ان مایوس تشکیک پسندوں کو غصے اور پریشانی سے بھر دیتی ہے۔ وہ حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ آخر عالمی مارکسی رجحان موجودہ حالات میں اتنے نوجوانوں کو کیسے جیت سکتا ہے جب ہر جگہ مایوسی اور پریشانی کا راج ہے؟ وہ بس حیران و پریشان صف ماتم بچھائے بیٹھے رہتے ہیں۔

320۔ لینن نے کہا تھا کہ ''جس کے پاس نوجوان ہیں، اس کے پاس مستقبل ہے''۔ ہماری کامیابی کی وجہ جاننا مشکل نہیں۔ نوجوان فطری طور پر انقلابی ہوتے ہیں۔ وہ سرمایہ داری کے خلاف سنجیدہ جدوجہد کا مطالبہ کرتے ہیں اور تذبذب اور نظریاتی ابہام انہیں فوراً زچ کر دیتا ہے۔

321۔ ہماری طاقت کی دو بنیادیں ہیں۔۔ مارکسی نظریات اور نوجوانوں کی طرف ثابت قدم رخ بندی۔ ہم نے عمل میں ثابت کیا ہے کہ یہ ایک کامیاب امتزاج ہے۔ یہ کامیابیاں ہمیں اعتماد دیتی ہیں اور مستقبل کے لیے رجائیت بخشتی ہیں۔ لیکن ہمیں ہر وقت حس توازن کا دامن تھامے رکھنا ہوگا۔ ابھی ہم محض آغاز کے بھی آغاز پر کھڑے ہیں۔

322۔ ہمارے سامنے دیوہیکل چیلنج موجود ہیں جو ہر قدم پر ہمارا کڑا امتحان لیں گے۔ آرام و آسائش کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اگر ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ کیا ہم موجود شاندار مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہیں تو جواب کیا ہوگا؟ اگر ہم ایماندار ہیں تو جواب نفی میں ہوگا۔ نہیں فی الحال ہم تیار نہیں ہیں۔ لیکن ہمیں جلد از جلد تیاری مکمل کرنی ہے۔ اور حتمی تجزیئے میں اس کا مطلب ہے بڑھوتری۔

323۔ ہمیں ہمیشہ معیار سے آغاز کرنا ہے، ایک اور دو کو جیتنا ہے، اور کیڈرز کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینی ہے۔ لیکن پھر ہمیں اس معیار کو مقدار میں تبدیل کرتے ہوئے ایک زیادہ بڑی اور منظّم تنظیم کو تعمیر بھی کرنا ہے۔ مقدار پھر واپس معیار میں تبدیل ہوگی۔ ایک سو کیڈرز وہ کام کر سکتے ہیں جو درجن بھر کے لئے ناممکن ہے۔ اور ذرا سوچیں تو سہی کہ ہم ایک ہزار کیڈرز کے ساتھ

برطانیہ، پاکستان یا روس میں کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ ایک معیاری فرق ہے!

324۔ کیڈر کی تعمیر کا عمل بڑھوتری کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ تنظیم کو بدلتے حالات کے ساتھ مسلسل آگے بڑھنے کا سفر جاری رکھنا ہے اور اپنے آپ کو بدلتے حالات کے ساتھ تبدیل کرتے ہوئے زیادہ پیشہ ورانہ، زیادہ منظّم اور زیادہ پختہ ہونا ہے۔

325۔ ہمارے پاس درست نظریات، لائحہ عمل اور تناظر موجود ہے۔ لیکن ہمیں اس سے بھی آگے بڑھنا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو تنظیم کی بڑھوتری میں تبدیل کریں اور کیڈرز کی ایک طاقت ور انقلابی فوج تیار کریں جو جدوجہد کے میدان میں محنت کشوں کی قیادت کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ اس وقت شاندار کامیابیوں کے ساتھ ہم اسی راہ پر گامزن ہیں۔

326۔ ابتداء میں ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وباء مارکس وادیوں کے لئے ناقابل تسخیر مشکلات پیدا کرے گی۔ اس نے یقیناً جعلی مارکسی فرقوں کو شیرازہ بکھیر دیا ہے جن کی بنیاد بے سمت ایکٹویزم تھا۔ لیکن عالمی مارکسی رجحان مسلسل بڑھ رہا ہے اور پچھلے ایک سال میں ہم نے اپنی ممبر شپ میں 1 ہزار کا اضافہ کیا ہے اور ابھی تو یہ آغاز ہے۔

327۔ کامریڈز! ہمارا مقابلہ وقت کے ساتھ ہے۔ ہمارا ایک ہی فریضہ ہے۔۔۔ محنت کشوں کی سماج کو تبدیل کرنے کی لاشعوری (یا نیم شعوری) خواہش کو شعوری عمل میں تبدیل کر دینا۔

328۔ غیر معمولی واقعات تیار ہو رہے ہیں۔ دیو ہیکل ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے ہمیں ایک اندرونی انقلاب کی ضرورت ہے جس کا آغاز ہمارے اپنے شعوری انقلاب سے ہوگا۔ ہم ماضی کی طرز پر اپنی سوچ سمجھ جاری نہیں رکھ سکتے۔ چھوٹی گروہی سوچ اور روٹین کی عادتوں کو ہم نے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ ہمیں انقلابی پارٹی کی تعمیر کے لئے پیشہ ورانہ رویہ درکار ہے۔ ہماری زندگی میں اس سے بڑا اور اس سے اہم مقصد کوئی نہیں ہے۔ اور اگر ہم درست نظریات، لائحہ عمل اور طریقہ کار پر کاربند رہے تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

لندن، 5 مارچ 2021ء